اِس شمارے میں

نورِ ہدایت	صدقہ خیرات کرکے احسان جتانا منع ہے		۵
نظر وفکر	وعظ ونصیحت	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	چار ہی چیزیں قابل قدر ہیں	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۱
افاداتِ قرآنیہ	افادات سورۂ فتح	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ	۱۸
مقالات ومضامین	عبرت وموعظت کے چند پہلو	مولانا مفتی محمد اجمل قاسمی	۲۲
	رمضان المبارک؛ تزکیہ کا مہینہ	مولانا اسرار الحق قاسمی	۳۲
	روزہ کے آداب اور ہماری کوتاہیاں	مولانا مفتی تنظیم عالم قاسمی	۳۶
	دنیا میں کیا کیا ہوگا؟	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۴۲
	انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے......	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۴۸
	صدموں اور غموں بھرے لمحات	مولانا کلیم اللہ قاسمی	۵۴
کتاب المسائل	حلالہ سے متعلق مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۵۹
عالمی خبریں	بہار میں صوبائی انتخابات کا اعلان......		۲
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کے اسفار، واردین وصادرین، جامعہ میں جلسہ دستار بندی کا انعقاد		۶۲
	جامعہ میں رابطہ مدارسِ عربیہ کے نمائندہ اجتماع کا انعقاد، وفیات		۶۳
	فہرست حضرات محصلین بابت رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ		۶۶

نورِ ہدایت:

صدقہ خیرات کرکے احسان جتانا منع ہے

ارشادِ ربانی: الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ○ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ○ (البقرة: ٢٦٢-تا-٢٦٤)

ترجمہ: ’’جو لوگ اللہ کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ اذیت پہنچاتے ہیں، تو اُنہی کے لئے اُن کے رب کے یہاں اُن کا ثواب ہے، اور اُن پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ نرم جواب دینا اور درگذر کرنا اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے ساتھ اذیت لگی ہو، اور اللہ تعالیٰ بہت بے نیاز اور نہایت تحمل کرنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذاء پہنچا کر ضائع مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا، سو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر پر کچھ مٹی پڑے، پھر اُس پر زور کی بارش برسے جو اُس کو بالکل صاف کر ڈالے، ایسے لوگوں کے اُس چیز کا کوئی ثواب ہاتھ نہیں لگتا جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتے‘‘۔

درج بالا آیات میں صدقہ خیرات کرنے والے لوگوں کو ضروری ہدایات دیتے ہوئے متنبہ فرمایا گیا ہے کہ وہ صدقہ دے کر غریبوں اور فقیروں پر نہ تو احسان جتائیں اور نہ اُن کی تحقیر کرکے اُن کے دل کو ٹھیس پہنچائیں؛ بلکہ اُن کے ساتھ نرم روی کا معاملہ کریں، اور اگر اُن کی طرف سے کوئی نازیبا بات سامنے آئے تو اُس پر بھی درگذر سے کام لیں۔

شریعت کی نظر میں صدقہ دے کر احسان جتلانا نہایت ناپسندیدہ عمل ہے، چناں چہ ایک حدیث میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ’’تین آدمی ایسے (بدنصیب) ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ قیامت میں نہ تو گفتگو فرمائیں گے، نہ اُن پر نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ اُن کو گناہوں سے پاک فرمائیں گے، اُن میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو صدقہ دے کر احسان جتلاتا ہو۔ (مسلم شریف ۱/۷۱، تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۱۱ ریاض) **اللّٰهم احفظنا منه**

اِسی مضمون کے ضمن میں دوسری تنبیہ یہ فرمائی گئی کہ ریاکاری کے طور پر جو شخص صدقہ خیرات کرتا ہے وہ بھی عنداللہ ثواب سے محروم رہتا ہے، ایسے خرچ کرنے سے دنیا میں ہوسکتا کہ کچھ لوگوں کی واہ واہی مل جائے؛ لیکن آخرت میں اُس کا کوئی بھی اَجر نصیب نہ ہوگا؛ اس لئے ضروری ہے کہ جو بھی خیر کا کام کیا جائے، اُس میں ریاونمود کا ہرگز دخل نہ ہو، ورنہ ’’نیکی برباد گناہ لازم‘‘ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی ریاکاری سے محفوظ فرمائیں، اور کامل اخلاص سے نوازیں، آمین۔ □□□

نظر وفکر

ایک جامع قرآنی وعظ (آخری قسط)

محمد سلمان منصور پوری
Mansoorpuri
@gmail.com

وعظ ونصیحت

زیر بحث آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ﴾ کا حسن اختتام اس مضمون پر کیا گیا ہے کہ مذکورہ اَوامر (عدل، احسان وصلہ رحمی) اورنواہی (بے حیائی، منکر اور بغاوت) کا ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وعظ ونصیحت کے کیا گیا ہے؛ تاکہ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔ چناں چہ ارشاد ہوا: ﴿یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے؛ تاکہ تم غور وفکر کرو۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ ''وعظ'' عربی زبان میں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے؟ تو اس بارے میں حضراتِ مفسرین سے تین معانی منقول ہیں:

(۱) وعظ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے مضامین ذکر کیے جائیں جن سے اللہ کے غضب اور عذاب سے ڈر پیدا ہوتا ہو۔

(۲) دوسرے معنی یہ ہیں کہ برائی سے اس طرح روکا جائے کہ اس میں عذاب پر تنبیہ بھی ہو۔

(۳) اور امام لغت علامہ خلیلؒ سے منقول ہے کہ ''وعظ'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اچھی بات اس انداز میں بیان کی جائے کہ اس سے دل میں نرمی پیدا ہو۔ (مستفاد: عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ ٦٣٦)

غور کیا جائے تو یہ تینوں معنی قریب قریب ہی ہیں، آپس میں متعارض نہیں ہیں، اور اُردو میں اِن سب معانی کو اگر سمیٹا جائے تو وعظ کا ترجمہ ''مؤثر نصیحت'' سے کیا جاسکتا ہے۔

قرآنِ کریم سراپا نصیحت ہے

قرآنِ کریم سراپا نصیحت ہی نصیحت ہے، اس سے زیادہ مؤثر کتاب ہدایت اور کوئی نہیں، خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ	اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ، وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ. قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا، هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ. (یونس: ۵۷-۵۸)

نصیحت آ چکی ہے، اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء اور اہلِ ایمان کے لئے ہدایت ہے۔ آپ فرمایئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے اور اسی پر لوگوں کو خوش ہونا چاہئے، یہ اُن چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا:

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ. (البقرة: ۲۳۱)

اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے، اور اُس کو کہ تم پر کتاب اور علم کی باتیں اُتاریں، جن کے ذریعہ تم کو نصیحت کرتا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے

نیز ارشاد ہوا:

إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا. (النساء، جزء آیت: ۵۸)

اللہ تعالیٰ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اور سورۂ نور میں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ. (نور: ۳۴)

اور ہم نے اُتاری ہیں تمہاری طرف کھلی ہوئی آیتیں اور اُن لوگوں کا کچھ حال جو تم سے پہلے گذر چکے، اور نصیحت ڈرنے والوں کے لئے۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہوئی کہ بلاشبہ قرآنِ پاک عبرت و نصیحت کی سب سے مؤثر کتاب ہے؛ اس لئے سب اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ اُس کی نصیحتوں کو اپنے لئے حرزِ جاں بنائیں، اور دارین کی فلاح و کامرانی کے مستحق بنیں۔

قرآنِ کریم؛ شاہراہِ جنت

قرآنِ کریم ہدایت کا وہ سیدھا راستہ ہے جو جنت کے ''مین گیٹ'' تک پہنچتا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا. (بنی اسرائیل: ۹)

یہ قرآن وہ راہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور نیک عمل کرنے والے مؤمنین کو بشارت سناتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر وثواب ہے۔

لہٰذا جو قرآنِ کریم کو رہنما بنائے گا وہ سیدھا جنت تک پہنچ جائے گا، اور دربارِ خداوندی میں اسے تقرب نصیب ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

نصیحت سے فائدہ ضرور ہوتا ہے

قرآنِ کریم میں متعدد جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اُمت کو وعظ ونصیحت فرماتے رہیں؛ تاکہ ایمان والوں کو فائدہ ہو۔ سورۂ والذاریات میں فرمایا گیا:

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. (الذّٰریٰت: ۵۵)

اور نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کی نصیحت کا نفع کئی طرح سے ظاہر ہوتا ہے:

(۱) ایمان والوں کے نورِ ایمانی میں اِضافہ ہوجاتا ہے، اور دل کی کیفیت بدل جاتی ہے۔

(۲) نصیحت جتنی زیادہ کی جائے گی اُتنی ہی باتیں آگے نقل ہوں گی، جن سے بعد میں آنے والے مؤمنین فائدہ اُٹھاتے رہیں گے۔

(۳) اور یہ بھی ممکن ہے کہ نصیحت سن کر کوئی کافر ایمان لے آئے، تو اس کا نفع تو ظاہر ہے، اور اگر ایمان نہ بھی لایا تو نصیحت کرنے والے مؤمن کو نصیحت کا ثواب تو مل ہی جائے گا، یہی اس کے حق میں نفع ہے۔ (تفسیر کبیر للامام الرازیؒ ۱۴/۲۳۲)

مثل مشہور ہے کہ ''کان پڑی بات کبھی کام آہی جاتی ہے'' تو یہی حال وعظ ونصیحت کا ہے کہ اس سے کچھ نہ کچھ نفع ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ اُمت میں برابر جاری رہنا چاہئے۔ اِسی بنا پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلسل کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے؛ بلکہ اِس کو اُمتِ محمدیہ کے خصوصی

اِمتیازات میں شمار کیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ. (آل عمران: ۱۱۰)

تم اُمتوں میں سب سے بہتر ہو، جنہیں عالم میں بھیجا گیا ہے، تم اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے، تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا، کچھ تو اُن میں سے ایمان والے ہیں اور اُن میں سے اکثر فاسق ہیں۔

لہٰذا اُمت میں ہر سطح پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل جاری رہنا چاہئے۔

نصیحت قبول کرنا ایمانی صفت ہے

نیز ہر مسلمان کو چاہئے کہ جب اس کے سامنے کوئی نصیحت کی جائے تو لا پروائی نہ برتے اور نہ ہی سنی اَن سنی کرے؛ بلکہ غور سے سن کر اُس پر عمل کی کوشش کیا کرے۔ اسی بنا پر سورۂ فرقان میں اللہ کے خاص منظورِ نظر بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا. (الفرقان: ۷۳)

اور جب اُن کو اُن کے رب کی باتیں سمجھائی جائیں تو وہ اُن پر اندھے بہرے ہو کر نہ پڑیں۔

یعنی ''عباد الرحمٰن'' کی خاص صفت یہ ہے کہ جب اُن کو کوئی نصیحت کی جاتی ہے اور قرآنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو وہ اندھوں اور بہروں کی طرح اُنہیں نظر انداز نہیں کرتے؛ بلکہ بغور سنتے ہیں، اور دل میں اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور سورۂ انفال میں سچے مؤمنوں کی علامت بیان کرتے ہوئے اِرشاد ہوا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (الانفال: ۲)

یقیناً (کامل) ایمان والے لوگ وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو اُن کے دل کانپ جائیں اور جب اُن کے سامنے قرآنی آیات پڑھی جائیں تو اُن کا ایمان بڑھ جائے، اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر آیت میں ذکر کردہ کیفیت کسی مؤمن کو نصیب ہوجائے، تو اُس کا ایمان کامل مکمل ہوجائے، اور وہ اچھائیوں کی طرف راغب اور برائیوں سے نفور ہوجائے، اس لئے ہر مسلمان کو یہ حالت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

آیئے عہد کریں!

گذشتہ صفحات میں بہت سی قرآنی ونبوی ہدایات ہمارے سامنے آ چکی ہیں، اَب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دل میں یہ عزم کریں کہ حتی الامکان اِن ہدایات کو حرز جاں بنائیں گے۔ اور جن باتوں سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، اُن سے اَپنے کو اور اپنے اَہل خانہ کو اور معاشرہ کو بچانے کی فکر کریں گے، ساتھ میں موقع بموقع اپنا محاسبہ بھی کرتے رہیں گے۔ اور جو بھی کوتاہی پہلے ہوچکی یا آئندہ اتفاقاً ہوجائے، تو اس پر ندامت کے ساتھ سچی توبہ کریں گے، اور ہمیشہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول پر رہے گی؛ کیوں کہ رضاء خداوندی سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور اس کی ناراضگی سے بڑھ کر کوئی ذلت کی بات نہیں ہے۔

اے ہمارے پیارے رب! ہماری کوتاہیوں کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرمایئے، ہمیں نفس وشیطان کے شر سے محفوظ فرمایئے، اور ہر سطح پر خیر کی توفیق مرحمت فرما کر ہمیں اپنے منظورنظر بندوں میں شامل فرمایئے، بے شک آپ گنہگاروں کو معاف فرمانے والے اور مہربانوں کے مہربان ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

وَعَلٰىٓ اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

❒❖❒

اطلاع:- بفضلہٖ تعالیٰ یہ پورا مضمون اَب کتابی شکل میں ''ایک جامع قرآنی وعظ'' کے نام سے ۲۸/ صفحات میں شائع ہوچکا ہے، شائقین حضرات دہلی اور دیوبند کے کتب خانوں سے اُسے حاصل کرسکتے ہیں۔ (مرتب)

درسِ حدیث:

چار ہی چیزیں قابلِ قدر ہیں

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلاَ إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ. (سنن الترمذي، مشكاة المصابيح ٤٤١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے کہ خبردار رہو کہ دنیا اور دنیا میں پائی جانے والی تمام چیزیں (اللہ کے نزدیک) ملعون ہیں (رحمتِ خداوندی سے محروم ہیں) سوائے ذکر خداوندی اور اُس کے متعلقات کے (اور اسی طرح) عالم وطالب علم کے۔

تشــریح :- نبی کریم علیہ السلام دنیا کی بے ثباتی کو اپنی امت کے دلوں میں بٹھا کر آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کی وقتاً فوقتاً نصیحت فرماتے رہا کرتے تھے، کبھی اُس کے فنا ہونے کو بیان کرتے، اور اُس کے بالمقابل آخرت کی بقا کو واضح فرماتے، کبھی انسان کے دنیا میں مختصر قیام کا تذکرہ کرتے، اور اخروی زندگی کے نہ ختم ہونے کو واضح کرتے، اور کبھی دنیا میں پائی جانے والی اشیاء کے سراب اور دھوکہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے کہ چند چیزوں کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں کوئی خیر نہیں ہے؛ بلکہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ مذکورہ بالا روایت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں آپ دنیا میں پائی جانے والی صرف چار ہی چیزوں کو قابل قدر اور لائق توجہ تسلیم فرمارہے ہیں، بقیہ تمام اشیاء کو ناقابل اعتناء مہلک اور فتنہ تصور کررہے ہیں۔ ذیل میں روایت کی مختصری تفصیل پیش کی جارہی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے ایک دن دنیا کی ناپائیداری کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دنیا اور اس میں موجود اشیاء ملعون اور ناقابل اعتبار ہیں، سوائے چار چیزوں کے کہ ان کا خیال رکھنا اور اُن سے تعلق کا اظہار کرنا آخرت کی کامیابی کی کنجی ہے۔

(۱) **ذِکْــرُ الـلّـٰـہِ** :- نبی کریم علیہ السلام پہلی چیز ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا ومافیہا میں کوئی خیر نہیں ہے سوائے ذکر خداوندی کے، یعنی اللہ رب العزت کا ذکر کرنا، اس کی یاد سے زبان

کوتر رکھنا اور دل ودماغ کو روشن کرنا نہایت قیمتی اور قابل قدر چیز ہے، جس میں انسان کوکسی طرح کی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

فضائلِ ذکر

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عبادات میں سے صرف ذکر خداوندی ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کو کثرت سے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے، صبح وشام ہو یا دن ورات، زندگی کے ہر لمحہ کو اللہ کے ذکر سے منور کرنا ایک ایسا سرمایہ ہے کہ جس کی افادیت کو الفاظ میں بیان کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، نماز کو اوقاتِ محدودہ میں ادا کرنے کا حکم ہے، اسی طرح روزہ ماہِ مخصوص میں رکھنے کا حکم ہے، حج بھی ایامِ مخصوصہ ہی میں ادا کیا جاتا ہے، اور زکوۃ بھی سال میں صرف ایک بار ہی فرض ہوتی ہے، مگر ذکر الٰہی کا حکم دیتے ہوئے اللہ رب العزت کثرت سے اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا. وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَاَصِیْلًا.	اے ایمان والو! اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح (پاک بازی) بیان کیا کرو۔

(الاحزاب: ٤١-٤٢)

ذکر خداوندی کو کثرت سے کرنے کا حکم اس لئے بھی دیا گیا ہے کہ اس کا اثر براہِ راست قلب پر پڑتا ہے، اور یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ اگر انسان کا دل درست ہوجائے تو اُس کے دیگر تمام اعضاء خود بخود درست ہوجائیں گے، اور اگر دل میں بگاڑ پیدا ہوجائے تو جسم کے تمام اعضاء گناہوں میں ڈوب جائیں گے۔ چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام ذکر کی وجہ سے دل پر پڑنے والے بہترین اثر کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر شئ کو مانجھنے اور صاف کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے، دل کی صفائی کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے، نیز اس سے جہاں ایک طرف قلب کی صفائی ہوگی، وہیں دوسری طرف یہ عذابِ الٰہی سے حفاظت کا بھی اہم ذریعہ ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ، وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجىٰ	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان منقول ہے کہ ہر شئ کی صفائی کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے، اور قلوب کی صفائی کے لئے اللہ کا ذکر ہے، اور ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی چیز

مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، قَالُوْا: وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، قَالَ: وَلَا أَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ. (رواه البيهقي، مشكاة المصابيح ۱۹۹)

عذابِ الٰہی سے بچانے والی نہیں ہے، لوگوں نے پوچھا نہ جہاد فی سبیل اللہ؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! نہ یہ کہ مارے کوئی شخص اپنی تلوار سے کسی (کافر) کی گردن پر کہ اس کو اُڑا دے۔

اقسامِ ذکر

ذکر خداوندی کی مختلف قسمیں ہیں، جن میں سے ہر ایک کے عظیم فوائد اور بہترین ثمرات ہیں، ذیل میں ان میں سے تین قسموں کو ذکر کیا جاتا ہے:

الف:- اللہ رب العزت کی تحمید وتقدیس اور عظمت وکبریائی کو بار بار بیان کرتے رہنا سب سے اہم اور عظیم ذکر ہے، چناں چہ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کا کثرت سے ورد انسان کو ذاکرین کی فہرست میں شامل کردے گا، یہ چاروں کلمے اللہ رب العزت کو بڑے محبوب ہیں، جو ان کا ورد کرے گا، وہ بھی یقیناً خدا کا محبوب بن جائے گا۔ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ چار کلام سب سے افضل ہیں: سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اور اللہ اکبر، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند چار کلام ہیں، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر، تم ان میں سے جس سے چاہو (ذکر کی) ابتداء کرو۔

(صحيح مسلم، مشكاة المصابيح ۲۰۰)

ب:- فرائض اسلام بھی ذکر میں شامل ہیں، چناں چہ نماز، حج اور تلاوتِ کلامِ پاک وغیرہ اعمال بھی ذکر ہی کی ایک قسم ہیں، کیوں کہ رب ذوالجلال کی یاد میں اپنے آپ کو مشغول کرنے کے لئے ہی اعمالِ صالحہ کو انجام دیا جاتا ہے، چناں چہ ایک آیت میں اللہ رب العزت نماز کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَاَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِیْ. اور نماز کو ادا کرو، میرے ذکر کے لئے، یعنی مجھ کو یاد کرنے کی غرض سے نماز کو پڑھو۔

اِسی طرح سفرحج تو شروع سے آخر تک عشق خداوندی کے اظہار کا ایک عظیم ذریعہ ہے، جس کے دوران حاجی رب ذوالجلال کی یاد میں مست ہوکر کبھی لباس سے بےلباس ہوجاتا ہے، تو کبھی دیوانہ وار اُس کے گھر کے چکر لگانے لگتا ہے، اور جگہ جگہ رک کر اس کی تجلیات سے اپنے ظاہر وباطن کو روشن کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اس سے بڑھ کر ذکر الٰہی اور کیا ہوگا؟

اسی طرح تلاوتِ کلام پاک بھی ذکر کی افضل ترین قسم ہے، صبح وشام اور دن ورات اس کی تلاوت کرنے والا شخص رب ذوالجلال کی یاد اور اس کے ذکر میں مصروف ہی نہیں شمار کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو افضل ترین ذکر کا ثواب بھی میسر آئے گا، چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو نماز میں پڑھنا خارج نماز میں پڑھنے سے افضل ہے، اور خارجِ صلوٰۃ (نماز سے باہر) قرآنِ کریم کو پڑھنا یہ تسبیح وغیرہ سے افضل ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: قِرَاءَ ةُ الْقُرْاٰنِ فِي الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَ ةِ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلَاةِ، وَقِرَاءَ ةُ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ، وَالصَّدَقَةُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ. (رواه البيهقي، مشكاة المصابيح ۱۸۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قرآنِ کریم کو نماز میں پڑھنا بغیر نماز کے پڑھنے سے افضل ہے، اور قرآنِ کریم کو بغیر نماز کے پڑھنا یہ تسبیح اور اللہ اکبر سے افضل ہے، اور سبحان اللہ کہنا (تسبیح پڑھنا) صدقہ سے افضل ہے، اور صدقہ دینا افضل ہے روزہ سے اور روزہ ڈھال ہے آگ سے۔

ج:- اَدعیۂ ماثورہ:- یعنی مختلف اوقات اور اعمال کے لئے نبی کریم علیہ السلام سے جو دعائیں منقول ہیں، ان کا اہتمام کرنا بھی ذکر ہے، مثلاً سوتے وقت کی دعا، اٹھنے کے وقت کی دعا، بیت الخلاء جانے کی دعا، وہاں سے واپسی کی دعا، کھانے کی دعا، کھانے کے بعد کی دعا، پینے کی دعا، پینے کے بعد کی دعا، اذان کے بعد کی دعا، مسجد میں جانے کی اور نکلنے کی دعا، وغیرہ بھی ذکر ہے، جو ان کا اہتمام کرے گا وہ

بہت سی آفتوں سے محفوظ ہوجائے گا۔

(۲) وَمَا وَالَاہُ:- دوسری چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ کے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں پائی جانے والی وہی اشیاء باعث خیر ہیں جو ذکر خداوندی کے لئے مدد ومعاون ہوں، بقیہ اور کسی چیز میں کوئی خیر نہیں ہے، یعنی جو چیزیں ذکر الٰہی سے کسی طرح کی مناسبت تعلق اور واسطہ نہیں رکھتی ہیں، ان میں خیر و برکت نہیں ہے۔ ذیل میں چند اہم ایسی چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ذکر الٰہی کے لئے ذریعہ اور واسطے کا کام دیتی ہیں، مگر ان کو مقصود بنانے کی صورت میں ان کا باعث خیر و برکت ہونا ختم ہوجائے گا۔

(۱) قوتِ لایموت:- یعنی زندگی بچانے کے لئے حلال ذرائع سے دنیا کمانا اور اپنی آل واولاد کی پرورش کے لئے شرعی حدود میں رہ کر جدوجہد کرنا، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر انسان اطمینان وسکون سے ذکر الٰہی میں مشغول نہیں ہوسکتا ہے؛ لیکن اس کو مقصود بنا کر زندگی کے تمام اوقات کو صرف دنیا کمانے میں لگادینا اور ذکر الٰہی کو جو کہ مقصود حقیقی ہے، بالکل بھلا دینا نمک حرامی اور شیطنت ہے، جس کا تصور بھی کوئی نیک اور باغیرت انسان نہیں کرسکتا ہے، اسی طرح اس میں انسان کی دیگر لازمی ضروریات مثلاً گھر بار، کپڑا لتا اور اوڑھنا بچھونا وغیرہ بھی شامل ہے۔

(۲) المؤسسات الدینیۃ:- یعنی دین کی تعلیم کو عام کرنے والے تعلیمی ادارے، مدارسِ اسلامیہ اور مکاتب قرآنیہ، جن میں احکام شرعیہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی ہے، یقیناً ذکر خداوندی کے اہم اور بنیادی ذرائع ہیں؛ کیوں کہ ان میں پڑھ کر ہی انسان ذکر کی اہمیت، اس کی قسمیں اور اس کے صحیح طریقوں سے واقف ہوسکے گا، اسی طرح وہ دینی تحریکات اور اسلامی جماعتیں جو عام انسان کو ضروریاتِ دین سے واقف کراتی ہیں، ان کے سماجی اور علاقائی مسائل کو حل کرتی ہیں، اور ان میں صحیح اسلامی روح پھونکنے کا کام کرتی ہیں، وہ تمام بھی ذکر الٰہی کے لئے مدد ومعاون ہیں؛ کیوں کہ ان ہی کی مبارک جدوجہد سے اسلام کی تعلیمات ابتداء سے لے کر آج تک نسلاً بعد نسل ایک دوسرے سے منتقل ہوتی چلی آئی ہیں، اگر یہ ذرائع نہ ہوتے تو بظاہر بعد میں آنے والے لوگ اور نسلیں خدا کو بھول گئی ہوتیں۔

غور طلب بات

اس اہم اور ضروری بات کو ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ دنیا میں پائی جانے والی مذکورہ بالا اشیاء خدائی پھٹکار اور لعنت سے صرف اس لئے محفوظ ہیں کہ وہ ذکر خداوندی، اتباع احکامِ شرعیہ اور دینی تعلیمات پر عمل

پیرا ہونے میں مدد ومعاون ہیں، ذریعہ اور واسطہ ہیں؛ لیکن اگر خلق خدا مقصود حقیقی (ذکر الٰہی) کو بھول جائے اور مذکورہ چیزوں کو ہی مقصود اصلی بنا بیٹھے تو یقیناً خدا کی رحمت کے دروازے بند ہوجائیں گے، دنیا والوں پر لعنتیں برسنے لگیں گی، اور انسان فتنوں میں گھر جائے گا، جیسا کہ آج کل ہورہا ہے۔

(۳) **أَوْ عَالِمٌ**:- تیسری چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں پائی جانے والی اشیاءِ خیر میں سے ایک عالم بھی ہے، اس کی وجہ سے رحمت خداوندی کے دروازہ کھلے رہتے ہیں، آسمان سے بارش برستی ہے، زمین غلہ اُگاتی ہے، اور گھروں میں خیر وبرکت ہوتی ہے، اس لئے زمین آسمان میں رہنے والی تمام مخلوقات حتی کہ سمندر کی تہہ میں رہنے والی مچھلیاں بھی عالم باعمل کے لئے مغفرت وعافیت اور خیر کی دعائیں کرتی رہتی ہیں، چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِيْ السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِيْ الأَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِيْ جَوْفِ الْمَاءِ. (سنن الترمذي، مشكاة المصابيح ٣٤)

بے شک عالم کے لئے زمین وآسمان میں رہنے والی مخلوقات اور سمندر کی تہہ میں رہنے والی مچھلیاں مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کائنات کے لئے باعث خیر وبرکت صرف علماءِ حق ہی ہیں، جو علم وعمل میں یکتا ہوں، اور خوفِ خدا سے ان کے قلوب معمور ہوں، اس کے برخلاف علماءِ سوء یعنی بے عمل علماء دنیا کی بدترین اشیاء میں شامل ہیں، جن کا وجود زمین پر بوجھ ہوتا ہے، ان کا ناپید ہوجانا یہ ان کے وجود سے بہتر ہے۔ چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیا کی سب سے بہترین چیز علماءِ حق ہیں اور سب سے بدترین شئ علماءِ سوء ہیں، ارشاد نبوی ہے:

عَنِ الأَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ، فَقَالَ: لَا تَسْئَلُوْنِي عَنِ الشَّرِّ وَسَلُوْنِي عَنِ الْخَيْرِ، يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ

حضرت احوص بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم علیہ السلام سے برائی کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا کہ مجھ سے برائی کے بارے میں نہ پوچھا کرو؛ بلکہ مجھ سے اچھائی کے بارے ہی میں سوال کیا کرو،

قَالَ: أَلاَ إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَإِنَّ خَيرَ الْخَيرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ. (رواه الدارمي، مشكاة المصابيح ٣٧)

یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا اور پھر کہا کہ سب سے بری چیز برے علماء ہیں، اور سب سے بہترین چیز اچھے علماء ہیں۔

(٤) أَوْ مُتَعَلِّمٌ :- چوتھی چیز کو ذکر کرتے ہوئے نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ کائنات میں باعث خیر وبرکت اور مستحق رحمت الٰہی اگر کوئی ہے تو وہ علم دین حاصل کرنے والا طالب علم ہے؛ کیوں کہ یہ علم حاصل کر کے خلق خدا کو راہِ حق دکھائے گا، دین کی نشر واشاعت کرے گا، اور بندگانِ خدا کو نفس وشیطان کے مکر وفریب سے بچائے گا، اسی لئے فرشتے اس کے راستہ میں اپنے پر بچھاتے ہیں، اور علم دین کے حصول کے لئے اُٹھنے والا اس کا ہر قدم اس کو جنت سے قریب کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ سَلَکَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ. وَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ. (سنن أبي داؤد، مشكاة المصابيح ٣٧)

نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا تو اللہ رب العزت اس کو (اس کی محنت اور جدوجہد کے عوض میں) جنت کے راستوں میں سے کسی راستے پر ڈال دے گا، اور فرشتے طالب علم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُس کے راستہ میں اپنے پر بچھاتے ہیں۔

عام طور پر لوگ مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ عزیز کو بڑی گری ہوئی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کا مذاق اُڑاتے ہیں اور توہین آمیز کلمات سے اُن کو پکارتے ہیں، حالاں کہ یہی وہ گروہ ہے کہ جس کی وجہ سے دنیا میں رہنے والوں کو عافیت اور سکون سے پیٹ بھر روٹی مل رہی ہے، اور چین کی زندگی سے دنیا لطف اندوز ہو رہی ہے، اگر خدانخواستہ دنیا داروں کے برے رویہ کی وجہ سے طلبہ عزیز کا یہ گروہ بددِل ہو کر لکھنے پڑھنے کی اپنی مصروفیت چھوڑ بیٹھے، تو عذابِ خداوندی سے حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں بچے گا، اور انسانیت مختلف شکلوں میں آنے والے فتنوں اور مصائب کا شکار ہو کر تباہ وبربادی کے گھاٹ اُتر جائے گی۔ اللہ رب العزت ہمیں مذکورہ چاروں چیزوں کی قدر ومنزلت کو پہچاننے کی توفیق نصیب فرمائے اور ناقدری کے گناہ سے ہم کو بچائے، آمین۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم۔

❍❖❍

افادات قرآنیہ:

افادات: سورۂ فتح

افادات: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نوراللہ مرقدہٗ
ضبط و ترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شریعت پر عمل کرنے میں ترقی ہے، گو وقتی طور پر ذلت ورسوائی ہو

اِنَّـا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا: صلح حدیبیہ کا قصہ معروف ومشہور ہے، سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیل مذکور ہے، اس میں مسلمانوں نے بڑے دب کر صلح کی تھی، اور اتنے دب کر صلح کرنا بظاہر بڑی ذلت ورسوائی کی بات تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے طیش میں تھے، اور جوشِ ایمانی میں کہہ رہے تھے کہ یارسول اللہ! کیا ہم حق پر اور یہ کفار باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے مقتولین سیدھے جنت میں اور کفار کے مقتولین دوزخ میں نہیں جائیں گے جب ہم گردن کٹانے اور اپنی جانوں کو قربان کرنے کو تیار ہیں، پھر اتنے دب کر صلح کیوں کی جائے؟ اللہ کے نبی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے صاف صاف فرمادیا: ''إِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَنْ يُضِيْعَنِي اللّٰهُ'' (بے شک میں اللہ کا نبی ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا) اسی موقع پر سورۂ فتح کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: ﴿اِنَّـا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا﴾ (اے محمد ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی) جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اِن آیات کو پڑھا اور عرض کیا:

یَـا رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ أَوَ فَـتْـحٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَطَابَتْ نَفْسُهٗ وَرَجَعَ.

اے اللہ کے رسول! کیا یہ صلح؛ فتح مبین ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کی یہ بات سن کر خوش اور مطمئن ہوگئے اور واپس آگئے۔

(یہ پوری تفصیل مسلم شریف رکتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ میں مذکور ہے)

پھر یہ صلح واقعی فتح مبین ثابت ہوئی، اس کے نتیجہ میں اِسلام کی بہت ترقی ہوئی، کفار اور مسلمین کے باہم تعلقات وروابط بڑھے، کفار کو اسلام سے قریب ہونے اور غور سے دیکھنے کا موقع ملا، مسلمانوں کی

صفائی معاملات اور حسن اخلاق کو دیکھ کر بہت متأثر ہوئے اور اسلام کی خوبی اور اُس کا حسن اُن کی نگاہوں کے سامنے آیا، جس کے نتیجہ میں بڑی تعداد میں کفار اسلام میں داخل ہوگئے، جتنی ترقی اسلام کو اس مدت میں ہوئی، دوسرے دنوں میں اس وقت نہیں ہوئی، بالآخر اسلام کا اتنا غلبہ ہوا کہ اسی کے نتیجہ میں فتح مکہ ہوا، اسی لئے قرآن نے اس صلح کو فتح مبین کہا تھا، آدمی جب شریعت پر عمل کرتا ہے، اپنے جذبات کو شریعت کے حکم کے آگے قربان کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ترقی دیتا ہے، دیکھو تھوڑی دیر کے لئے اس وقت مسلمان دبے، پھر پورے عالم میں اُبھرے، آج بھی مسلمان اگر شریعت کے حکم کے آگے اپنا سر جھکا دیں، جہاں دبنے کا اور صبر کرنے کا موقع ہو، وہاں دب جائیں، صلح کا موقع ہو تو صلح سے کام لیں، تو اس میں ذلت ورسوائی نہیں؛ بلکہ ترقی ہے، جب حالات اس قسم کے ہوں کہ مقابلہ کرنا آسان نہ ہو، ہم مقابلہ کی پوزیشن میں نہ ہوں، تو ایسے حالات میں صبر ہی کر لینا چاہئے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جو تقریباً اس وقت تیرہ سو تھے اور کفار تقریباً تیرہ ہزار تھے، ایسی صورت میں تو مقابلہ کرنا عقل وتدبیر کے خلاف تھا، کیا یہ کوئی کمالِ ایمان کی بات ہے کہ اپنی جان کھپا دو، سر کٹا دو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے، کیا صحابہ گردن نہیں کٹا سکتے تھے، وہ تو خوشی سے اس پر تیار تھے؛ لیکن اس وقت اس کی اجازت نہیں دی گئی، اسی میں خیر تھی۔

اس جیسے ملک میں آج بھی مسلمانوں کی حالت ایسی ہے جیسے صلح حدیبیہ اور اس کے بعد کے زمانہ میں تھی، اللہ نے صحابہ کو موقع دیا، کفار سے اختلاط ہوا، صحابہ کی صفائی معاملات اور حسن اخلاق کو دیکھ کر کفار اسلام سے متأثر ہوئے، ان کی عبادت، زہد، اخلاق، دیانت داری، ایمان داری کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئے کہ اِسلام مذہب بہت اچھا مذہب ہے، اس طرح اسلام میں داخل ہوگئے، آج بھی مسلمانوں کو اللہ نے ایسے ہی مواقع دئے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ دوسری قوموں کے سامنے صفائی معاملات، حسن اخلاق، دیانت داری، ایمان داری، سچائی، پاک بازی، صفائی ستھرائی عفت وپاک دامنی کا ایسا نمونہ پیش کریں، جس سے لوگوں کے سامنے اسلام کا حسن سامنے آئے اور وہ اسلامی تعلیمات سے متأثر ہوں، اِسلام سے ان کو جو دوری اور بدگمانیاں ہیں، وہ دور ہوں، پھر دیکھو اسلام کی ترقی ہوتی ہے یا نہیں؛ لیکن افسوس مسلمان ایسا نہیں کر رہے، اسلام کا عمدہ نمونہ اور اسلام کی صحیح تصویر نہیں پیش کر رہے ہے، جس کی وجہ سے لوگ اسلام سے بجائے قریب ہونے کے دور ہوتے جا رہے ہیں، بدگمانیاں بڑھتی جا رہی ہیں، اس لئے اس کی طرف توجہ کرنے اور محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

کمالِ ایمان کی واضح علامت اور صحابہ کرام کا کمالِ ایمان

صلح حدیبیہ کے موقع پر ہی بیعتِ رضوان کا قصہ پیش آیا، قرآنِ پاک میں بیعتِ رضوان کا تذکرہ ہے، اس موقع پر صحابہ میں کتنا ولولہ اور کتنا جوش اور شوقِ جہاد تھا، ہر ایک گردن کٹانے کو تیار تھا، جوش تھامے نہ تھمتا تھا، بیعت بھی ہو چکی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک دم سے حکم دے دیا کہ اب واپس ہونا ہے، صحابہ کو کتنا دھچکا لگا اور دل کو کتنا صدمہ پہنچا تھا، وہ کسی طرح احرام کھولنے اور واپس ہونے کو تیار نہ ہوتے تھے، ان کا جذبہ تو اللہ کی راہ میں گردن کٹانے اور شہادت کا مقام حاصل کرنے کا تھا؛ لیکن اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے آگے اُنہوں نے اپنے جذبات کو دبالیا، جذبات کو قربان کردیا، صبر کا گھونٹ پی لیا، ایسی حالت میں اپنے جذبات پر قابو پالینا یہ ان کا بڑا کمال تھا، جہاد کرنا اور گردن کٹانا اتنا بڑا کمال نہ تھا، جتنا بڑا کمال یہ تھا کہ اللہ کے حکم کی وجہ سے بغیر جہاد کے احرام کھول کر واپس ہوگئے، جہاد اور گردن کٹانے کا تو ان کے اندر جوش اور شوق تھا، اگر جہاد کرتے تو جوش اور شوق کی بنا پر کرتے، اور بغیر جہاد کے دب کر کے صلح کر کے واپسی یہ نفس کے خلاف تھا، نفس پر آرہ چلا کر واپس ہونا بہت مشکل تھا؛ لیکن محض اللہ کے رسول کے حکم کی بنا پر صحابہ نے سب کچھ برداشت کیا، یہ بہت بڑا کمال ہے، اور شریعت کے حکم کے آگے جذبات کو دبالینا نفس کو قابو میں رکھنا کمالِ ایمان کی بڑی علامت ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کیا یہ نہیں کرسکتا تھا کہ کفار کے مجمع میں سانپ بچھو بھیج دیتا، وہ ان کو ڈس لیتے اور ہلاک کردیتے؛ لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ یہ بھی کرسکتا تھا کہ کفار کے مقابلہ میں فرشتوں کو بھیج دیتا، ایک فرشتہ تمام کفار کو بھون کر رکھ دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، امت کی تعلیم کے لئے، اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے اور اس امت پر ایسے بھی حالات آئیں گے کہ بجائے مقابلہ کے دب کر صلح کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اس لئے اُمت کے لئے ایک نمونہ چھوڑ دیا گیا؛ لیکن آج مسلمان اس پر تیار نہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں جب مقابلہ کی اِجازت نہ ہو اور صلح پسندی کا حکم ہو، تو ایسے وقت صبر کرنا ہی ضروری ہوگا، اور اسی میں خیر ہوگی، کبھی صلح کرنے میں عافیت ہوتی ہے اور مقابلہ کرنے میں نقصان ہوتا ہے، کبھی ذلت برداشت کرنی پڑتی ہے اور اسی ذلت میں عزت ہوتی ہے، اور یہ فیصلہ کرنا کہ کونسا موقع مقابلہ کرنے کا ہے، اور کونسا موقع دب کر صلح کرنے کا ہے، اس کا فیصلہ علماءِ حق قرآن وحدیث کی روشنی میں کریں گے۔

ناگواری کے باوجود شریعت پر عمل کرنے سے اللہ کی طرف سے انعام ملتا ہے

صلح حدیبیہ کے موقع پر واقعی مسلمانوں کو دب کر صلح کرنی پڑی تھی، اور اللہ ورسول کا حکم ہی یہی تھا،

لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کو ''فتح مبین'' اور بڑی کامیابی قرار دیا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے دب کر صلح کرنے کی وجہ سے کتنے انعام ملے اور کتنے بڑے بڑے وعدے کئے گئے، مغفرت کا وعدہ کیا گیا، تمام شرکاء صحابہ جو اس بیعت میں شریک تھے، سب کو حق تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا پروانہ ملا، سب کی مغفرت کردی گئی، صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی، یہ سارے انعامات ملے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرنے میں کامیابی ہی کامیابی ہے، اگرچہ طبعاً ناگواری ہو، نفس کے خلاف ہو، دل پر آرہ چلے، اور اس حکم پر عمل کرنے میں بظاہر ذلت ورسوائی ہو، تب بھی اس میں کامیابی اور عزت ہوتی ہے، دیکھو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کتنی عزت نصیب فرمائی، اور کس شان وشوکت کے ساتھ مکہ فتح ہوا، اس کا ذریعہ یہی صلح حدیبیہ بنی تھی، جو بظاہر بڑی ذلت کی صلح تھی؛ لیکن دین کی اشاعت کا ذریعہ یہی صلح بنی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کبھی دین کے مطابق عمل کرنے میں ناگواری اور ذلت بھی ہوتی ہے؛ لیکن اس ذلت کو برداشت کیا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ہم ایک چیز کو برا سمجھتے ہوں؛ لیکن آگے چل کر اس میں خیر ہو، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہوں؛ لیکن انجام کے اعتبار سے وہ بری اور شر ہو، ﴿عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ﴾ کا یہی مطلب ہے، بسا اوقات کسی کام کی مصلحت وحکمت فی الحال سمجھ میں نہیں آتی، بہت پوشیدہ مصلحت ہوتی ہے، مثلاً صلح حدیبیہ میں اگر صلح نہ ہوتی اور مقابلہ ہوتا، تو کتنا نقصان ہوتا، کتنے مارے کاٹے جاتے، کتنے شہید ہوتے، صلح کرنے کے نتیجہ میں کفار سے تعلقات ہوئے، ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، وہ اسلام سے متأثر ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔

ثابت قدمی بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے

ایسے موقع پر شریعت پر ڈٹے جمے رہنا جس میں جذبات کو دبایا جا رہا ہو، نفس کے خلاف ہو، شرعی حکم کے آگے ناگواری کے باوجود ڈٹے اور جمے رہنا، اور وقتی ذلت کو برداشت کرلینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، جس کو یہ نعمت حاصل ہوا سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، ورنہ ایسے موقعوں میں غصہ اور جوش میں آکر آدمی نہ معلوم کیا کیا کر بیٹھتا ہے، بوکھلا جاتا ہے، غصہ میں آکر حدود سے تعدی کرنے لگتا ہے، اُکھاڑ پچھاڑ مچاتا ہے، خون خرابا کرتا ہے، صحابہ ان سب باتوں سے محفوظ رہے، صبر وثابت قدمی کی یہ توفیق جسے حاصل ہوجائے، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ ❍❖❍

قدرتی آفات اور زلزلوں میں

عبرت وموعظت کے چند پہلو

مولانا مفتی محمد اجمل قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

زلزلے، آندھیاں، طوفان اور کائنات میں رونما ہونے والے تمام اِنقلابات اور تبدیلیاں درحقیقت اللہ کی عظمت وقدرت اور اُس کی کبریائی اور جبروت کی نشانیاں ہیں، ایک مسلمان اور ایمانی بصیرت سے بہرہ ور شخص کو ان نشانیوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرکے عبرت اور نصیحت حاصل کرنا چاہئے، نعمتِ ایمان وعرفان سے محروم ظاہر بین اِنسان کی طرح ان حوادث اور واقعات کی مادی اور سائنسی توجیہات پر مطمئن ہوکر عبرت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اس مضمون میں زلزلوں اور قدرتی آفات میں موجود حکمتوں اور خدائی آگاہیوں سے کسی قدر پردہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ ہم ان سے نصیحت حاصل کریں، قدرت کی آگاہیوں سے سبق لیں، گناہوں اور غفلتوں کی زندگی سے باز آئیں، اور گرفت سے پہلے خدائی گرفت کا خوف اپنے دلوں میں پیدا کریں۔

زلزلے اللہ کی عظمت اور قدرتِ کاملہ کی نشانیاں ہیں

زلزلے اور وہ قدرتی آفات جس کے سامنے اِنسان اپنے کو بے بس اور بے دست وپا پاتا ہے، اور ساری انسانی تدبیریں اور حفاظتی انتظامات اس کی شدت اور ہولناکیوں کے سامنے مکڑی کے جالے سے بھی کمزور نظر آتی ہیں، یہ سب درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرتِ غالبہ کی دلیل ہوتی ہیں، جو اِنسان کو زبانِ حال سے یہ خاموش پیغام دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر قادر ہے، وہ ہر اِرادے کو بروئے کار لاسکتا ہے، وسیع علم اور غالب قدرت والا ہے، نہ وہ کسی انسانی تدبیر سے لاعلم ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کے سامنے لاچار و بے بس، انسان اپنی عقلی پرواز اور سائنسی ترقیات کو کام میں لاکر پیشگی آگاہی کے کیسے ہی آلات تیار کرلے اور کیسے ہی حفاظتی انتظامات کرڈالے، سب اس کی قدرت کے سامنے ہیچ اور بے حیثیت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّـمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ. (یٰس: ۸۲)

اُس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا اِرادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہوجا تو وہ چیز آموجود ہوتی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهُ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا. (الفاطر: ٤٤)

اور اللہ کو کوئی عاجز کرنے والی نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ نازل ہوئی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: (کہو: وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَعُوْذُ بِوَجْهِکَ" (اے اللہ اس عذاب سے ہم آپ کے رخِ پُرنور کی پناہ چاہتے ہیں) اور جب آیت کا یہ حصہ نازل ہوا: ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ (یا تمہارے قدموں کے نیچے سے (عذاب) برپا کردے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَعُوْذُ بِوَجْهِکَ" (اے اللہ ہم اس عذاب سے آپ کے رخِ پُرنور کی پناہ چاہتے ہیں) اور جب آیت کا یہ حصہ اترا: ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوادے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "هٰذَا أَهْوَنُ أَوْ هٰذَا أَيْسَرُ" (یہ صورت پہلی صورتوں کے مقابلے میں ہلکی ہے۔ (بخاری شریف حدیث: ۴۶۲۸)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہوا ہے کہ وہ ہمہ وقت ہمارے اوپر اور نیچے سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے، یہ طوفانی بارشیں جس سے پورا پورا علاقہ اور شہر غرقاب ہوجاتا ہے، اور یہ زلزلے جس میں زمین تہہ وبالا ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی اسی قدرت کا عملی نمونہ ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے پتہ چلتا ہے کہ زمینی یا آسمانی عذاب کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کے ظہور سے بندے کو پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔

زلزلوں کا مقصد بندوں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کرنا ہے

زلزلوں اور قدرتی آفات میں ایک اہم حکمت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بندوں کے دلوں میں اپنے عذاب کا خوف پیدا کرتا ہے اور اپنے احکام کی مخالفت کے برے انجام سے آگاہ کرتا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْاٰيَاتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا. (الاسراء: ٥٩)

ہم نشانیاں بندوں کے ڈرانے کے واسطے بھیجتے ہیں۔

مفسر طبری نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُخَوِّفُ النَّاسَ بِمَا شَاءَ مِنْ آيَاتِهِ لَعَلَّهُمْ يُعْتِبُوْنَ أَوْ يَذْكُرُوْنَ أَوْ يَرْجِعُوْنَ. ذُكِرَ لَنَا أَنَّ كُوْفَةَ رَجَفَتْ عَلٰى عَهْدِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ يَسْتَعْتِبُكُمْ فَأَعْتِبُوْهُ. (تفسير طبري ١٤/٦٣٨)

اللہ تعالیٰ بندوں کو جس طرح کی نشانیوں سے چاہتے ہیں ڈراتے ہیں؛ تاکہ بندے اللہ کو منائیں، اُسے یاد کریں اور اُس کی طرف پلٹیں۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ میں زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگی، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اے لوگو! تمہارا رب یہ چاہ رہا ہے کہ تم اسے مناؤ اور راضی کرو؛ لہٰذا تم منانے اور راضی کرنے میں لگ جاؤ''۔

آندھیاں، زلزلے، خشک سالی، طوفانِ ابر و باراں اور دیگر زمینی اور آسمانی حوادث عذابِ الٰہی کا ہلکا سا نمونہ ہوتے ہیں، یہی اگر مزید شدت اختیار کر جائیں تو پورے پورے ملک اور پوری پوری قوم کی تباہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جب پہلی قوموں کو اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کرنا منظور ہوا تو یہی قدرتی آفتیں اُن کی تباہی کا ذریعہ بنیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا. (العنكبوت: ٤٠)

آخرکار ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ میں پکڑا، پھر ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی اور کسی کو ایک زبردست آواز نے آلیا، اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو غرق کر دیا۔

لہٰذا بندوں کو عذابِ الٰہی کے آنے سے پہلے عذابِ الٰہی کے ان نمونوں سے ڈر کر اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر میں لگ جانا چاہئے اور اُن کو اللہ کی طرف سے آگاہی سمجھ کر نافرمانی، غفلت اور گناہوں کی زندگی سے باز آنا چاہئے، ورنہ عجب نہیں کہ ہم اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے آخرت سے پہلے دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجائیں، اعاذنا اللہ منہ۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں:

وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ، فَإِذَا

جب آسمان ابر آلود ہو جاتا تو (فکرمندی) کی وجہ سے آپ کا رنگ بدل جاتا اور آپ (بے چینی میں)

مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ، فَعَرَفْتُ ذٰلِکَ فِيْ وَجْهِهٖ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ! كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ، فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يَكُوْنَ عَذَابًا سُلِّطَ عَلٰى أُمَّتِيْ. (بخاري رقم: ٣٢٠٦، مسلم رقم: ٨٩٩)

کبھی باہر جاتے کبھی گھر میں واپس آتے، آگے پیچھے ہوتے، جب بارش ہوجاتی تو آپ کی بے چینی دور ہوتی۔ کہتی ہیں کہ میں نے آپ کے چہرہ پر فکرمندی دیکھی تو میں نے فکرمندی کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا: کہیں معاملہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد کے ساتھ ہوا تھا، انہوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھ کر کہا تھا کہ یہ بادل ہے ہم پر برسے گا (لیکن وہ گرم ہوا کے طوفان کی شکل میں ایک سخت عذابِ الٰہی تھا جس میں پوری قوم برباد ہوگئی) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ: مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ عذاب نہ ہو، جو میری امت پر مسلط کیا گیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے معصوم اور برگزیدہ رسول بھی اللہ کی ڈرانے والی نشانیوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھتے تھے، اور آپ کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں یہ عذابِ الٰہی نہ ہو، جو آپ کی اُمت پر مسلط کردیا گیا ہو، اور آپ جلدی سے دعا وذکر اور استغفار میں لگ جاتے تھے، آپ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِکَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِکَ وَجَمِيْعِ سَخَطِکَ. (صحيح مسلم ٣٥٢/٢)

اے اللہ میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کی نعمت ختم ہوجائے، آپ کی عافیت ٹل جائے اور اچانک آپ کی پکڑ آجائے اور آپ کی ہر قسم کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔

حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مدینہ میں زلزلہ آیا، تو آپ نے اس کا سبب لوگوں کی بے دینی کو قرار دیا، اور لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر زلزلہ دوبارہ آئے گا تو لوگوں کو چھوڑ کر مدینہ سے چلا جاؤں گا۔ چناں چہ حضرت صفیہ بنت ابی عبید روایت کرتی ہیں:

قَالَتْ: زُلْزِلَتِ الْمَدِيْنَةُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ مَا هٰذَا؟ مَا أَسْرَعَ مَا أَحْدَثْتُمْ،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ میں زلزلہ آیا، تو انہوں نے فرمایا: لوگو! یہ کیا ہے؟ اس قدر جلدی تم نئی نئی خرافات میں گرفتار ہوگئے؟ اگر دوبارہ

لَئِنْ عَادَتْ لَا أُسَاكِنُكُمْ فِيهَا. (رواه ابن أبي شيبة رقم: ٨٣٣٥، وابن أبي الدنيا في العقوبات وسنده صحيح ٢٠)

زلزلہ آیا تو میں مدینہ میں تمہارے ساتھ رہنا چھوڑ دوں گا۔

یہ ہے اللہ کے سمجھ دار بندوں کا حال؟ جن کی رسائی اس دنیا کی اصل حقیقت تک ہے، اور جنہیں اللہ کی کامل معرفت کی وجہ سے حادثات اور واقعات کے اصلی اور حقیقی اسباب کی فوراً صحیح پہچان ہوجاتی ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعات غضب الٰہی کی ایک جھلک اور اس کی طرف سے بندوں کو سنبھل جانے اور غفلت و بے فکری اور گناہوں سے باز آنے کا ایک پیغام ہے، چناں چہ وہ اس پیغام کو صحیح صحیح سمجھ کر تدارک وتلافی اور گناہوں سے توبہ واستغفار میں لگ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کو شامل حال کر لیتے ہیں۔

درحقیقت اس دنیا میں چھوٹی بڑی جو بھی چیز پیش آتی ہے، اس کا ایک کلیدی سرا عالم بالا سے جڑا ہوتا ہے، اچھا برا جو کچھ بھی اس دنیا میں پیش آتا ہے، اس کا فیصلہ پہلے وہیں ہوتا ہے، پھر اس دنیا میں اس فیصلے کے وجود میں آنے کے اسباب پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا طریقہ ہے کہ جب بندے اللہ کی مرضیات پر چلتے ہیں اور اس کی بندگی بجالاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں، برکتوں اور نوازشوں کے فیصلے ہوتے ہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الأعراف: ٩٦)

اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے، تو ضرور ہم ان پر آسمان وزمین سے برکتوں کے دہانے کھول دیتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوْا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ. (المائدة: ٦٦)

اگر وہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم کرتے اور اس چیز کو جو اُن پر اُن کے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے، تو وہ اپنے اوپر اور نیچے سے کھانے کے لئے رزق پاتے۔

(یعنی بروقت آسمان سے بارش ہوتی اور زمین سے خوب غلہ پیدا ہوتا)

لیکن اگر انسان سیاہ کاریوں میں زندگی گذارتا ہے، اور گناہ وغفلت کی زندگی میں مست ہوکر اللہ کی بغاوت پر آمادہ ہوتا ہے، تو پھر زمین پر اللہ کا غضب قدرتی آفات کی شکل میں اترتا ہے، جیسا کہ سورۂ

عنکبوت کی آیت کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے، ایمان ویقین اور نور معرفت سے محروم ظاہر بیں انسان کی نگاہیں واقعات کے ظاہری اسباب تک پہنچتی ہیں، وہ حوادث کی سائنسی توجیہات سن کر اسی پر قانع اور مطمئن ہوجاتا ہے، (زمین کی پلیٹیں کھسکتی ہیں، جس سے زلزلے آتے ہیں، زمین کی اندرونی سطح میں بخارات جمع ہوتے ہیں، اور جب انہیں نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ملتا، تو پھر ان کا دباؤ اوپر کی طرف بڑھتا ہے، جس سے زمین میں بھونچال آتا ہے، وغیرہ وغیرہ) انہیں باتوں پر مطمئن ہوکر ان آفتوں کے حقیقی پیغام سے بے خبر ہوجاتا ہے، اور بس زلزلے کے نتائج اس کی توجہ اور دلچسپی کا سامان بن جاتے ہیں۔ مہلوکین کی تعداد کتنی ہوگئی، زلزلہ کتنی طاقت سے آیا، تباہی کا منظر کیسا تھا؟ کتنی تاریخی عمارتوں کو نقصان پہنچا؟ کہاں کہاں سے امدادی ٹیمیں امداد اور راحت رسانی کے لئے پہنچیں، ٹی وی، انٹرنیٹ اور اخبارات میں یہی باتیں دیکھتا اور پڑھتا ہے اور چائے خانوں میں بیٹھ کر اسی پر تبصرے کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ زمین کی پلیٹیں کھسکتی کیوں ہیں؟ کون ہے جو اسے خاص وقت پر کھسکاتا ہے؟ زیر زمین جمع ہونے والے بخارات کو کوئی راستہ کیوں نہیں ملتا؟ جس سے اس کا دباؤ اوپر کی طرف بڑھتا ہے، اور زلزلہ آتا ہے۔ حقیقت بین اور نور معرفت سے روشن نگاہیں ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا غیبی ہاتھ دیکھتی ہیں، اور اس کو اپنے برے اعمال پر خدائی وارننگ سمجھتی ہیں، اور فوراً خود بھی اصلاحِ حال کی فکر کرتی ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتی ہیں، دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتنے یقین سے لوگوں کی بداعمالیوں کو زلزلے کا سبب قرار دیا، اور حد یہ ہے کہ لوگوں سے انہوں نے بہت دوٹوک انداز میں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو پھر ان سے الگ مدینہ کے باہر رہائش اختیار کریں گے؛ اس لئے کہ دوبارہ زلزلہ آنے کا مطلب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تھا کہ لوگوں نے اپنی پرانی روش چھوڑ کر اپنے احوال کی اصلاح نہیں کی، ظاہر بینوں کے لئے یہ بات باعث حیرت ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے اس راز ہستی کی حقیقت سے ذرا پردہ اٹھادیا ہے، ان کے لئے ان ظاہر بینوں کی بصیرت کا اندھاپن اور کور باطنی اس سے کہیں زیادہ باعث حیرت اور تعجب خیز ہے، افسوس کہ آج اہل ایمان کی بڑی تعداد ان واقعات وحوادث کو ایمان سے محروم مادہ پرست لوگوں کی طرح محض مادی نظر سے دیکھتی ہے، اور اللہ کی قہاری کے ان ہیبت ناک مظاہر سے ڈرنے اور چونکنے کے بجائے غفلت اور بے حسی ہی میں بڑھتی اور ترقی کرتی جاتی ہے۔

فَـاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِىْ الصُّدُوْرِ. (الحج: ٤٦)

آنکھیں اندھی نہیں ہوجاتیں؛ بلکہ سینوں میں موجود دل اندھے ہوجاتے ہیں۔

زلزلے اللہ کی طرف سے بندوں کا امتحان ہیں

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے اچھے برے حالات بندوں پر بھیجتا ہے، اوران حالات میں بندوں کے صبر، ان کے ایمان ویقین، اللہ پر بھروسہ، اس کے ساتھ حسن ظن اوراس کے فیصلوں پر رضا کا امتحان ہوتا ہے، مؤمن ان حالات کو اپنے گناہوں کا کفارہ اور آخرت میں اجروثواب اور ترقی درجات کا ذریعہ سمجھ کر صبر کرتا ہے، اور اللہ سے ثواب کی امید کرتے ہوئے عذاب سے حفاظت اور عافیت کا طالب ہوتا ہے، اور ایمان ویقین اور اللہ کی معرفت سے محروم انسان اپنے رب سے بدظنی میں مبتلا ہوجاتا ہے، اوران ناخوش گوار حالات کو اپنی شامتِ اعمال کا نتیجہ سمجھ کر اصلاحِ حال کی کوشش کرنے کے بجائے یا تو اللہ سے شکوے شکایت میں مبتلا ہوجاتا ہے یا سرے سے ان حالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے غیر اللہ کی طرف منسوب کرکے دیکھتا ہے، اوراس طرح اللہ کے سچے اچھے اور جھوٹے برے بندوں کے درمیان امتیاز کی واضح لکیر قائم ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُتْرَكُوْا اَنْ يَقُوْلُوْآ اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ. (العنکبوت: ۲-۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالاں کہ ہم ان لوگوں کی آزمائش کرچکے ہیں جو اُن سے پہلے گذرے ہیں، اللہ تو ضرور یہ دیکھے گا کہ (دعوئ ایمان) میں سچے کون ہیں؟ اور جھوٹے کون ہیں؟

بدامنی، فاقہ مستی اور جانی ومالی نقصان کے حالات جہاں بندوں کے امتحان اور سچے اور جھوٹے میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں، وہیں ان حالات میں استقامت اور صبر کا مظاہرہ کرنے سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور فضل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ

ہم ضرور تمہیں کچھ خوف وخطر، فاقہ کشی، جان ومال کے نقصانات اور پیداوار کے گھاٹے میں مبتلا کرکے تمہاری آزمائش کریں گے، ان حالات میں ان صبر کرنے والے لوگوں کو جو کسی بھی مصیبت پہنچنے پر

مُصِيبَةٌ قَالُوا إنَّا لِلّٰهِ وَإنَّا إلَيهِ رَاجِعُونَ. اُولٰئِكَ عَلَيهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ. (البقرة: ١٥٥-١٥٦-١٥٧)

کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے، خوش خبری سنادیجئے اُن پر اُن کے رب کی طرف سے بڑی عنایتیں اور رحمت ہوگی، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أُمَّتِي مَرْحُومَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ، إِنَّمَا عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْقَتْلُ وَالْبَلَابِلُ وَالزَّلَازِلُ. (رواه أحمد رقم: ١٩٦٧٨، أبوداؤد رقم: ٤٢٧٨ وصححه الألباني)

میری اُمت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اس پر آخرت میں کوئی (بڑا) عذاب نہ ہوگا، اُس کا عذاب تو دنیا ہی میں قتل وخونریزی، بدامنی اور زلزلوں کی شکل میں ہوگا۔

اچھے برے حالات کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر وشکر بجالانا یہ مؤمن اور بندۂ مخلص ہونے کی دلیل ہے، اور غیر اللہ کی طرف منسوب کرکے دیکھنا اور صرف ظاہری اسباب ہی کو ان واقعات میں مؤثر سمجھنا بے ایمانی اور بے توفیقی کی بات ہے، حدیث پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ. (صحيح البخاري رقم: ٨٤٦، صحيح مسلم: ٧١)

میرے بندے صبح کرتے ہیں اس حال میں کہ ان میں بعض مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض میرا انکار کرنے والے ہوتے ہیں، پس جو بندہ یہ کہتا ہے کہ بارش ہمیں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ملی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے، اور جو بندہ کہتا ہے کہ ہمیں فلاں وفلاں نچھتّر کی وجہ سے بارش ملی وہ میرا منکر اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔ (زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بارش ستاروں کے رحم وکرم سے نازل ہوتی ہے)

زلزلے میں مرنے والا مؤمن شہادت کا درجہ پاتا ہے

زلزلوں میں مرجانے والے مؤمنین کو اللہ تعالیٰ یہ اعزاز دیتا ہے کہ انہیں شہادت کا درجہ عنایت فرماتا ہے، جو ہر مؤمن کے لئے باعث رشک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: اَلْمَطْعُوْنُ، وَالْمَبْطُوْنُ، وَالْغَرِيْقُ وَصَاحِبُ الْهَدَمِ وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

(صحيح البخاري رقم: ٦٥٣، مسلم: ١٩١٤)

شہید پانچ طرح کے ہیں: جو نیزہ کے زخم سے مرا ہو، جو پیٹ کی بیماری میں مرا ہو، جو پانی میں ڈوب کر مرا ہو، جو عمارت کے منہدم ہوجانے کی وجہ سے مرا ہو، اور وہ آدمی جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوا ہو۔

(زلزلوں میں عموماً ہلاکتیں عمارتوں کے منہدم ہوجانے کی وجہ سے ہوتی ہے؛ لہٰذا اس حدیث کی رو سے مہلوکین کو آخرت میں شہادت کا درجہ ملے گا؛ البتہ دنیا میں اس پر شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے)

زلزلے تماشہ نہیں جائے عبرت ہیں

زلزلے اور انقلاباتِ جہاں درسِ عبرت ہیں، ان حوادث کے بعد عجیب عجیب دل دوز مناظر انسان کی نگاہوں کے سامنے آتے ہیں، کسی کی صورت بگڑ گئی، کسی کی شناخت مٹ گئی، کسی کی موت شراب خانوں، زنا کے اڈوں، سیہ کاریوں کی جگہوں، طرب ونشاط کی عریاں محفلوں میں آئی اور رنگے ہاتھ جرم میں ملوث اللہ کے پاس پہنچا، یہ ساری باتیں ایک مؤمن کے لئے عبرت ہیں؛ لہٰذا آدمی کو ہر وقت گناہ سے بچنا چاہئے، اور گناہوں کی مجلسوں سے پرہیز کرنا چاہئے، کیا خبر اللہ کی گرفت اچانک آئے اور توبہ کا موقع بھی نہ مل سکے، مؤمن کے دل میں ہمہ وقت اللہ کی پکڑ کا کھٹکا رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ. اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ. اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ.

(الأعراف: ٩٧-٩٨-٩٩)

پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہوگئے کہ ہماری گرفت کبھی ان پر رات میں آجائے اور وہ سوئے پڑے ہوں، یا انہیں اطمینان ہوگیا کہ ہماری گرفت ان پر دن کے وقت آپڑے جب کہ وہ کھیل رہے ہوں، کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں، اللہ کی چال سے تو وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے۔

انسان کو اپنے حسن وجوانی، اپنے مکان اور اپنے مال واسباب پر فخر ہوتا ہے، اور وہ ان پر اتراتا ہے، ان آفتوں میں کتنے حسین وخوبرو اور کتنے تن توش والے جوان، اپاہج اور معذور ہوجاتے ہیں، اور کتنے ایسی موت مرتے ہیں کہ شکل بھی پہچاننی مشکل ہوجاتی ہے، شاندار محلات، ڈھیر سارے مال واسباب والا لمحہ بھر میں فقیر اور کھلے آسمان کے نیچے بے سروسامانی کے ساتھ رات گذارنے پر مجبور ہوتا ہے، کیا اس میں غافل انسان کے لئے پیغام نہیں ہے کہ اسے اللہ کے دئے ہوئے حسن وجوانی اُس کے دئے ہوئے مال واسباب پر اِترانا نہیں چاہئے، اور معذوروں، اَپاہجوں اور کمزور حالت والے لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، کیا خبر کہ کل ہماری حالت ان سے بھی بدتر ہوجائے اور زندگی کے لالے پڑ جائیں۔

زلزلے قیامت کی یاد دلاتے ہیں

یہ زلزلے قیامت کے زبردست بھونچال کی یاد دلاتے ہیں، اور انسان کے دل میں اس کا خوف اور اس کی ہول ناکیوں سے نجات کی فکر پیدا کرتے ہیں، قیامت کے زلزلے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ. يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ.

(الحج: ۱-۲)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے، جس روز تم اسے دیکھوگے، حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہوجائے گی، ہر حاملہ کا حمل ساقط ہوجائے گا، اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے، حالاں کہ وہ نشے میں نہ ہوں گے؛ بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو صحیح سمجھ عطا فرمائے، اور قدرتی آفات سے اپنی آگاہیوں کو سمجھنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور زمینی وآسمانی بلاؤں سے اپنی حفظ وامان میں رکھے، آمین۔

نوٹ:- اس مضمون کی تیاری میں عربی مجلّہ "رأية الإصلاح الجزائرية" شمارہ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ سے بنیادی استفادہ کیا گیا ہے۔

رمضان المبارک: جسم وروح کے تزکیہ کا مہینہ

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی (ایم پی) وصدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن ذاکر نگر، نئی دہلی

رمضان المبارک کے روزے امت مسلمہ پر فرض کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (البقرة: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح اُن لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے ہوگزرے؛ تاکہ تم متقی ہوجاؤ۔

اگلی آیت میں ان فرض روزوں کی تعیین کردی گئی ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ. (البقرة، جزء آیت: ۱۸۵)

پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینہ کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

''روزہ'' بنیادی طور پر تین چیزوں سے رکنے کا نام ہے۔ اول کھانے سے، دوسرے پینے سے، تیسرے مجامعت کرنے سے۔ روزہ کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ روزہ رکھنے سے پہلے سحری کھانا اور روزہ کی تکمیل پر افطار کرنا مسنون ہے۔ اَحادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سحری کھانے اور افطار کرنے میں بڑا ثواب ہے۔

عاقل، بالغ مسلمانوں کے لیے اس وجہ سے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ یہ دوزخ سے خلاصی اور جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے، اس کے واسطے سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا آسان ہے اور خودی کی روحانی، اخلاقی اور جسمانی اصلاح کے لیے بھی روزہ ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ روزے رکھ کر ایک گناہ گار شخص گناہوں سے تائب ہوسکتا ہے، نفس کی پیروی کو چھوڑ سکتا ہے، باطن کی صفائی کر سکتا ہے، اپنے آپ کو باضمیر اور صاحب کردار شخص بنا سکتا ہے، تقوی کی راہ اختیار کر سکتا ہے اور عبادت خداوندی ہی کو اپنا مطمح نظر بنا سکتا ہے۔ روزے رکھنے کی اس لیے بھی تاکید کی گئی ہے کہ اس کے بہت سے چھپے اور کھلے مقاصد وفوائد ہیں۔ روزہ کے اہم ترین مقاصد میں ''تقوی'' خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ تقوی اللہ کو بے حد پسند ہے، تقوی سے مراد یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اللہ سے ڈرے، ہر غلط کام سے بچے، اپنی نفسانی و ہیجانی خواہشات کو قابو میں رکھے، ہر حالت میں صابر وشاکر رہے، رضائے الٰہی کی جستجو میں لگا رہے اور خشوع وخضوع کے ساتھ ہمہ وقت عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔ روزہ

کیوں کہ ان تمام چیزوں کو جامع ہے، اس لیے اس سے بآسانی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

روزہ رکھنے کے بعد انسان میں کئی طرح کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ روزہ دار اپنے آپ کو اس بات کا اہل بنالیتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر خواہشات پر کنٹرول کرسکے۔اگر اس کا جی کھانے کو چاہے، تو نہ کھائے، اگر پینے کو چاہے تو نہ پیے، اگر مجامعت کو چاہے تو وہ بھی نہ کرے۔ یہ تینوں چیزیں انسان کی بنیادی ونفسانی خواہشات کی مرکز ہیں۔ان پر کنٹرول کرلینا ہر چیز پر کنٹرول کرنے کے برابر ہے۔روزہ کے علاوہ ان اشیاء پر قابو کرنا مشکل ہے۔کیونکہ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ جب لوگوں کو بھوک لگتی ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح کھانے کا انتظام کرلیتے ہیں ، پیاس لگتی ہے تو وہ تڑپ جاتے ہیں اور کسی بھی طرح اس کا بندوبست کرکے سیرابی حاصل کرلیتے ہیں۔بیوی سے مجامعت کو جی چاہتا ہے تو اس پر قابو بھی دشوار ہوجاتا ہے لیکن روزہ رکھ کر خوف خدا کیوجہ سے کوئی شخص ان تینوں چیزوں کے قریب نہیں جاتا یعنی روزے کے ذریعہ ہی ان پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

اِن بنیادی چیزوں وصورتوں پر قابو پانے کے بعد تقوی کی راہ آسان ہوجاتی ہے۔کیونکہ اللہ کے لیے اہم چیزوں کی قربانی کے ان تقاضوں کو آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے کہ روزہ دار فحش باتوں سے پرہیز کرے، کسی کو گالی نہ دے، کسی کے مال کی طرف ناجائز طور سے نہ دیکھے، رزق کے حصول میں حلال طریقوں ہی کا سہارا لے، کسی کو بے جا نہ ستائے، کسی پر ظلم وتشدد نہ کرے، سخت وترش لہجے میں بات نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، وعدہ خلافی نہ کرے، لہوولعب سے دور رہے، رشوت خوری سے پرہیز کرے، بدعنوانی کے قریب نہ جائے، فحاشی، بے حیائی اور عیاشی کو الوداع کہے، اپنے آپ کو عبادت اور خدمت خلق میں مشغول رکھے، حمد وشکر کے ساتھ ہر نیک عمل کی طرف بڑھے اور ہر برے کام سے اجتناب کرے۔حیرت کی بات ہے کہ ایسے بہت سے روزے دار ہر جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں، جو روزے کی حالت میں سوائے کھانے، پینے اور مجامعت سے رکنے کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں رکتے۔جھوٹ بھی بولتے ہیں، وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں، لہولعب میں بھی مشغول رہتے ہیں، بے حیائی وفحاشی سے بھی دامن نہیں بچاتے، بدکلامی اور گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں، ذکر واذکار میں بھی دلچسپی نہیں لیتے۔دراصل ایسے روزے دار روزہ تو رکھتے ہیں، مگر اس کے مقصد کو نہیں سمجھتے۔شاید انہیں اس بات کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ اس طرح اجر عظیم سے محروم ہوجاتے ہیں۔یاد رہنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص روزہ دار ہوکر بھی تقوی کی طرف نہ آیا، فحش گوئی کرتا رہا، جھوٹ بولتا رہا اور برے کاموں میں مشغول رہا تو پھر روزہ کا مقصد حاصل نہ ہوسکے گا؛ اس لئے کہ روزہ سے وہ سب کچھ نہیں حاصل ہونے والا، جو اسے حاصل ہونا چاہئے۔ایسے روزے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس شخص نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس سے کیا سروکار کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہا''۔(بخاری شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے دار کو تقوی اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ ڈھال ہے اور تم میں سے جب کوئی کسی دن روزے سے ہو تو اسے چاہئے کہ زبان کو فحش اور گندی باتوں سے آلودہ نہ کرے، شور برپا نہ کرے، اگر کوئی اس سے گالی گلوچ پر اتر آئے یا لڑائی کے لیے آمادہ ہو جائے تو اسے دل میں سوچنا چاہئے کہ میں تو روزے سے ہوں''۔ (بخاری ومسلم)

روزہ کے دوران روزہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا کی تمام آرائش وزیبائش سے کنارہ کش ہو کر معبود حقیقی کی طرف راغب ہو جائے اور عمل سے یہ ثبوت دے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے لیے اپنی تمام تر ضرورتوں، چیزوں کو قربان کر چکا ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں ہے، اس کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔ دنیا ومافیہا سے اسے کچھ لینا دینا نہیں۔ نہ اسے کھانے سے مطلب ہے نہ پینے سے مطلب ہے نہ اسے بیوی کے ساتھ میل ملاپ سے مطلب، نہ اسے دنیا داری سے مطلب، مطلب ہے تو صرف اپنے پروردگار سے۔

روزہ دار کو روزہ رکھتے ہوئے یہ بھی طے کر لینا چاہئے کہ اس کا مقصد جہاں عبادت میں مشغول رہنا ہے، وہیں اسے اس اثنا میں ایک صاحب کردار اور نیک وصالح انسان بننا بھی ہے۔ کیونکہ روزہ رکھ کر اور اس کے تقاضوں کو پورا کر کے صاحب کردار اور باضمیر انسان بننا آسان ہے۔ مگر آج کل زیادہ تر روزے دار اپنے سامنے اس مقصد کو نہیں رکھ رہے ہیں۔ جس کے سبب وہ رمضان المبارک کے پورے مہینہ کے روزے رکھنے کے باوجود نہ متقی بن پاتے ہیں، نہ نیک وصالح اور صاحب کردار انسان۔ جو عیوب اور غلط عادتیں رمضان سے پہلے ان میں ہوتی ہیں وہ مسلسل انتیس یا تیس روزے رکھنے کے بعد بھی رہتی ہیں۔ اس بات کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ روزے دار کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ روزوں کی فرضیت منعم حقیقی کی جانب سے ان پر ایک بڑا احسان ہے، جس میں انہیں دینی، اخلاقی اور انسانی تربیت کا بھرپور موقع ملتا ہے۔ اگر وہ اس اثنا میں پورے طریقہ سے اسلام پر عمل پیرا ہوں، تو ان کی بہترین تربیت ہو سکتی ہے اور پھر اس تربیت کو رمضان کے بعد بھی باقی رکھا جائے تو پورے معاشرے میں تقویٰ وپرہیزگاری کا ماحول قائم ہو سکتا ہے اور معاشرہ آناً فاناً برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے۔

روزوں کو ایک وقت متعینہ میں فرض کر کے امت مسلمہ کے لیے ایک ایسا ماحول فراہم کیا گیا ہے کہ تمام مسلمان یہ محسوس کر سکیں کہ وہ سب برابر ہیں، نہ ان میں کوئی بڑا ہے، نہ کوئی چھوٹا، نہ کوئی امیر اور نہ کوئی غریب، نہ بادشاہ اور نہ فقیر۔ جب سب لوگ انسانی زندگی کے مقصد کے حصول میں برابر ہیں تو پھر خاندانی، نسلی، مسلکی اختلافات کے کیا معنی؟ اللہ کے نزدیک ہر اس شخص کا اہم مقام ہے جو روزہ دار ہے، خلوص نیت کے ساتھ اس کے لیے روزہ رکھتا ہے، اور اس کے تقرب کے لیے بھوکا، پیاسا رہتا ہے اور ہر

طرح کی نفسانی خواہش سے اجتناب کرتا ہے۔ یہ کام چاہے امیر کرے، فقیر کرے، خان کرے، سید کرے یا وہ شخص کرے جس کو چھوٹی ذات کا یا حقیر برادری کا تصور کیا جاتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اہمیت کا حامل ہے۔

غور کیجئے کہ روزہ کی فرضیت سب کے لیے یکساں ہے، ایسا نہیں ہے کہ امیروں کے لیے کچھ زیادہ ہو اور غریبوں کے لیے کچھ کم ہو۔ یا کسی بڑی برادری و ذات کے لیے مخصوص روزہ ہو اور جس برادری کو کمتر سمجھا جاتا ہے اس کے لیے دوسرا روزہ ہو۔

روزہ ماہ رمضان میں فرض کیا گیا، تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس ماہ میں پورے مسلم معاشرے میں ایک خاص فضا بن جاتی ہے۔ رمضان کا ماحول ہمیں شہروں میں بھی دکھائی دیتا ہے، دیہاتوں میں بھی نظر آتا ہے، ملک اور ملک کے باہر بھی یہی ماحول نظر آتا ہے کہ سب لوگ روزے رکھنے کی وجہ سے پورے دن بھوکے پیاسے رہتے ہیں، صبح کو سحری میں لوگ اٹھتے ہیں، سورج غروب ہونے کے بعد سب لوگ افطار کرتے ہیں۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ بعض لوگ مسجد میں روزہ افطارتے ہیں، بعض لوگ گھروں میں، لیکن سب ایک ہی وقت میں روزہ افطار کرتے ہیں۔

روزہ جیسی اہم عبادت کے اس پیغام کے باوجود عام طور سے دیکھا جاتا ہے، کہ ماہ رمضان گزرتے ہی لوگ ایک بار پھر اپنی پرانی روش پر آجاتے ہیں، گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، خاندانی، مسلکی اختلافات کو ہوا دینے لگتے ہیں۔ اور ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' کے مصداق نظر نہیں آتے۔ حالانکہ ماہ رمضان میں ایک ساتھ روزہ رکھ کر ان کے لیے لازم تھا کہ وہ اپنے بھائی چارے کا ماحول آگے بھی برقرار رکھتے، گناہوں سے اجتناب کرتے، غرباء، فقراء اور مساکین کی مدد کرتے، تقوی اختیار کرتے، نیکیوں کو حاصل کرنے کی طرف لپکتے اور اللہ کی خوشنودی کو اپنا مطمح نظر سمجھتے۔

روزہ اور نماز کی طرح اللہ تعالیٰ نے ''حج'' جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لیے بھی اجتماعیت رکھی ہے؛ تاکہ تمام مسلمان مشرق و مغرب سے اکٹھے ہو کر بیت اللہ میں جمع ہوں۔ سب ایک ساتھ مل کر لبیک کی صدائیں بلند کریں۔ حج کے موقع پر یہ عظیم اجتماع عالمی سطح پر مسلمانوں کو جمع ہونے کا شاندار موقع اسی لیے فراہم کرتا ہے کہ مسلمان عالمی سطح پر اپنے درمیان اتحاد کو باقی رکھیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ آخر اسلام نے اہم عبادتوں میں اجتماعیت کو کیوں قائم کیا ہے جو لوگ اس واضح پیغام کو سمجھنے کے بعد بھی غفلت کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ اُمتِ مسلمہ کے منتشر کرنے کی جرأت کرتے ہیں اور جو لوگ اجتماعیت قائم کرتے ہیں وہ جہاں ایک طرف اہم عبادات کی ادائیگی پر کھرے اترتے ہیں، وہیں وہ امت مسلمہ کے اتحاد کو قائم کرنے والے ہوتے ہیں، یقیناً وہ بڑے اجر کے مستحق ہیں۔ ❍ ❖ ❍

روزہ کے آداب اور ہماری کوتاہیاں

مولانا مفتی تنظیم عالم قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

ماہ رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد شعبان کے مہینہ میں فرض کئے گئے، اس کے بعد سے آج تک ہر سال مسلمانوں میں ان کا معمول چلا آرہا ہے، قرآن واحادیث میں روزہ کے جن فضائل کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تصور سے بالا اور برتر ہیں، اللہ کی بے پناہ رحمتیں اور سعادتیں اس ماہ میں نازل ہوتی ہیں، گنہگاروں اور معصیت میں ڈوبے ہوئے افراد کو توبہ اور نیکی کا موقع دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کے ذریعہ خدا کو راضی کریں اور نیکیوں کے لئے یہ زریں موقع فراہم کیا گیا تاکہ مزید نیکی جمع کرلیں غرض ساری انسانیت کے لئے ماہ رمضان رحمت اور برکت کا ذریعہ ہے۔

کسی بھی عبادت اور عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل ہوجائے اور پروردگار کی رحمت کاملہ اس عمل اور عبادت کے کرنے والے کو دین اور دنیا دونوں جگہ اپنی آغوش میں چھپالے، روزہ ایسا عمل ہے جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، تھوڑی محنت اور مشقت کے ذریعہ انسان کو ایک بڑا انعام حاصل ہوتا ہے کہ دوسری عبادات کے ذریعہ اتنی آسانی سے یہ میسر نہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: إِلَّا الصَّوْمُ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُءٌ صَائِمٌ. (بخاري شريف ۱/۲۵۵، مشكاة المصابيح ۱۷۳)

بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب زیادہ کیا جاتا ہے بایں طور کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا

(یعنی روزہ کی جو جزا ہے اسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ روزہ دار کو میں خود ہی دوں گا اس بارہ میں کوئی دوسرا یعنی فرشتہ بھی واسطہ نہیں ہوگا کیونکہ روزہ دار) اپنی خواہش اور اپنا کھانا صرف میرے ہی لئے چھوڑتا ہے (یعنی وہ میرے حکم کی بجا آوری میری رضا وخوشنودی کی خاطر اور میرے ثواب کی طلب کے لئے روزہ رکھتا ہے) روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو روزہ کھولنے کے وقت اور دوسری خوشی (ثواب ملنے کی وجہ سے) اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت، یادرکھو روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ لطیف اور پسندیدہ ہے، اور روزہ سپر ہے (کہ اس کی وجہ سے بندہ دنیا میں شیطان کے شر وفریب سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے) لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ بیہودگی کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اگر کوئی (نادان جاہل) اسے برا کہے یا اس سے لڑنے جھگڑنے کا ارادہ کرے تو اُسے چاہئے کہ وہ کہہ دے ’’میں روزہ دار ہوں‘‘۔

اس حدیث میں روزہ کے دورخ کا ذکر کیا گیا ہے، ایک تو روزہ کی فضیلت اور دوسرے اس کے آداب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، روزہ ایسی عبادت ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ صرف روزہ دار ہی کو ہوتا ہے جبکہ دوسری عبادتیں کسی نہ کسی حیثیت سے لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آہی جاتی ہیں، اس لئے روزہ کے علاوہ دیگر اعمال میں ریاکاری اور نمائش کا امکان ہوتا ہے مگر روزہ میں اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے ثواب کی کوئی تعیین نہیں کی، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اخلاص اور تقویٰ کے اعتبار سے روزہ کا ثواب بے انتہاء اور لامحدود ہے جس کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، حدیث کے آخری جملہ میں روزہ کے دوسرے رخ یعنی اس کے آداب کو بیان کیا گیا ہے کہ روزہ دار روزہ کی حالت میں فحش اور لایعنی بات اور عمل سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے، بدزبانی یا بیہودہ باتیں زبان سے نہ نکالے اور نہ ہی کسی برے عمل یا کسی بری مجلس کی طرف اپنے ذہن ودماغ کو متوجہ کرے، اگر کوئی شخص روزہ دار کو برا بھلا کہے یا اس سے لڑنے کا ارادہ کرے تو وہ اس شخص کو انتقاماً برا بھلا نہ کہے اور نہ ہی جذبات میں آکر لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو جائے، اس لئے کہ روزہ کی حالت میں گالی گلوچ بکنے اور لایعنی کام سے روزہ کی روح ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خوشنودی ایسے شخص سے منہ موڑ لیتی ہے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوْعُ وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّحُرُ. (سنن ابن ماجة ۵۲۹/۱ بیروت)

بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ اُن کو روزہ رکھنے کے نتیجہ میں بھوکا رہنے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ اُن کو رات کے جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں ایسے روزہ دار مراد ہیں جو روزہ رکھ کر دوسروں کی غیبت کرتے ہیں، فحش اور بدکلامی میں مشغول رہتے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو حرام مال سے افطار کرتے ہیں کہ جتنا روزہ رکھنے کا ثواب ہوا تھا اس سے زیادہ حرام مال کھانے کا گناہ ہوگیا۔

اِن ہی اَحادیث کے پیش نظر مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور تحریر فرمائے ہیں کہ ایک روزہ دار کے لئے ان کا اہتمام ضروری ہے۔

(۱) اول نگاہ کی حفاظت کہ وہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے، اس سے مراد ہر ایسی جگہ ہے جس کو دیکھنا دل کو حق تعالیٰ سے ہٹا کر دوسری طرف متوجہ کردے، بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ روزہ کی حالت میں بیوی کو بھی شہوت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، اس سے روزہ کی روح متاثر ہوتی ہے۔

(۲) دوسری چیز زبان کی حفاظت ہے، اس میں جھوٹ چغل خوری، لغو بکواس، بدگوئی، بدکلامی اور غیبت وغیرہ تمام غیر شرعی چیزیں داخل ہیں، خاص طور پر غیبت سے حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بعض علماء کرام کے یہاں غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس پر فتویٰ نہیں تاہم غیبت کی شدت اور اس کی قباحت اس سے معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (سورہ حجرات آیت بارہ) میں غیبت کو اپنے مردار بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) تیسری چیز جس کی روزہ دار کو اہتمام کی ضرورت ہے وہ کان کی حفاظت ہے، ہر مکروہ اور ناپسندیدہ چیز جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے، اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔

(۴) چوتھی چیز باقی اعضاء بدن کی حفاظت کرنا ہے، مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے، پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف لے جانے سے روکنا، اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مشتبہ اور حرام مال سے حفاظت کرنا وغیرہ۔

(۵) پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہوجائے، جیسا کہ آج کل ضرورت سے زیادہ کھانے کا رواج عام ہے؛ اس لئے کہ روزہ کا مقصد قوتِ شہوانیہ اور بہیمیہ کو کم کرنا ہے اور قوتِ نورانیہ اور ملکیہ کو بڑھانا ہے، مختلف انواع واقسام کے پھلوں اور چیزوں سے افطار کرنے اور طبیعت کے آسودہ ہونے تک کھاتے رہنے سے یہ مقصد فوت ہوجاتا ہے۔

(۶) چھٹی چیز جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ روزہ رکھتے ہوئے اس سے ڈرتے رہنا ضروری ہے کہ نہ معلوم یہ روزہ قابل قبول ہے یا نہیں، اللہ کی مرضی کے مطابق ہمارا یہ عمل ہے یا اس میں کوئی ایسی کوتاہی اور نقص پیدا ہوگیا، جس کی وجہ سے یہ روزہ قیامت کے دن ہمارے منہ پر ماردیا جائے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ روزے کے تین درجے ہیں (۱) عام (۲) خاص (۳) خاص الخاص۔ عام روزہ تو یہ ہے کہ صرف پیٹ اور شرمگاہ کے تقاضوں سے پرہیز کرے یعنی کھانے، پینے اور جنسی خواہشات کی تکمیل سے رکا رہے اور خاص روزہ یہ ہے کہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضاء کو گناہوں سے بچائے، یہ صالحین کا روزہ ہے اور خاص الخاص روزہ یہ ہے کہ دنیوی فکروں سے دل کا روزہ ہو اور دل کو صرف اللہ کی طرف لگائے رکھے البتہ جو دنیا کہ دین کے لئے مقصود ہو تو وہ دنیا ہی نہیں بلکہ توشۂ آخرت ہے، یہ انبیاء صدیقین اور مقربین کا روزہ ہے۔ (احیاء العلوم: ۱/۲۳۴)

امام غزالیؒ نے مذکورہ تین درجات کو بیان فرما کر بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی ہے، انسان جس طرح یہ چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا، مکان، کھانا پینا، تجارت، معاش اور دوسری دنیوی چیزیں بہتر سے بہتر ہوں اسی طرح ہر مسلمان کو چاہیئے کہ روزہ بھی اعلیٰ سطح کا رکھے اور ان تمام آداب واحکام کا خاص لحاظ رکھے جن سے روزہ اللہ کی نظر میں مقبول ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ نہ صرف اپنے شکم اور شرم گاہ کی؛ بلکہ دل ودماغ اور تمام اعضائے جسم کی حفاظت کرے، دیکھنے اور برتنے والے کو ایسا محسوس ہو کہ روزہ اس کے تمام عضو پر سایہ فگن ہے، جب روزہ رکھنے والے میں یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو پھر اللہ کی رحمتیں اور سعادتیں اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور روزہ کا مقصد یعنی تزکیۂ قلب اور تقویٰ کا وصف اسے حاصل ہوتا ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ　　اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (البقرة: ۱۸۳) ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

روزہ کے بعض دنیوی فائدے ہیں اور بعض دینی بھی، روزہ کا دنیوی فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے جسم کی بہت سی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں، بدن کے فاسد مادے کم ہوتے ہیں، معدے کو راحت ملتی ہے اور طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے، اس کا دینی فائدہ ایک تو یہ ہے کہ اس سے ایک فریضہ ساقط ہوتا ہے، اس میں اللہ کے حکم کی اطاعت اور نفسانی خواہشات سے رکنے کا اظہار ہے، اس کے ساتھ اس کا بڑا فائدہ دل و دماغ اور روح کو تمام غلط خیالات، وسوسے اور گندگیوں سے پاک کرنا ہے، مذکورہ اصول کے مطابق روزہ رکھنے سے دل میں اللہ کا خوف بیٹھ جاتا ہے اور حکمِ الٰہی کی اطاعت کا شوق بڑھ جاتا ہے بلکہ اس میں دل و دماغ کو سکون حاصل ہونے لگتا ہے، اس کو قرآن نے تقویٰ سے تعبیر کیا ہے، اس سلسلہ میں مفسرِ قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا یہ تفسیری نوٹ پڑھنے کے قابل ہے، وہ لکھتے ہیں:

''روزہ تعمیل ارشادِ خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے، ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض وغایت کی تصریح ہوگئی کہ اس سے مقصد تقویٰ کی عادت ڈالنا اور افرادِ اُمت کو متقی بنانا ہے، تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے، جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہو جاتی ہے اور مادی لذتوں سے لطف وانبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، بھوک کھل کر خوب لگنے لگتی ہے، خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے اسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کر لینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحت روحانی وحیاتِ اخلاقی کے حق میں مضر، ہیں، ان سے بچے رہنے سے) عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت و استعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہو کر رہتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے''۔ (تفسیر ماجدی:۱/۶۸)

خلاصہ یہ کہ رمضان کا روزہ حصول تقویٰ کے لئے بہترین ٹریننگ اور بہترین تربیت ہے، ایک مسلمان جب روزہ رکھ لیتا ہے تو وہ اپنے عمل کے اعتبار سے جیسا بھی ہو، اس کی نظر اللہ کی قدرتِ بصارت پر رہتی ہے، کہ وہ جہاں بھی رہے اللہ کی نگاہ اسے پالے گی، اس لئے سخت گرمی اور نفس کے شدید تقاضہ کے باوجود

تنہائی میں بھی پانی پینے سے گریز کرتا ہے اور یہ احساس رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے، پانی پینے کا عمل اس کو ناراض کردے گا، اگر یہی احساس اور جذبہ رمضان کے بعد بھی باقی رہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا استحضار رہے تو بلا شبہ وہ نیک اور ولی صفت انسان بن جائے گا، اللہ کی خوشنودی اسے حاصل ہوگی اور جنت اس کا مقام ہوگا، پوری شریعت اسلامی کا خلاصہ یہی ہے کہ دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو، دنیا کا کوئی بھی کام کیا جائے قدرتِ خداوندی کا یقین اور اس کی رضامندی کے حصول کا شوق رہے۔

موجودہ دور میں بظاہر روزہ کا فکر واہتمام موجود ہے، جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، اس کے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور تقدس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس ماہِ مبارک میں اللہ کی عبادت کچھ زیادہ کرے، جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں وہ لوگ بھی تراویح جیسی لمبی نماز میں بھی روزانہ شریک ہوتے ہیں، ذکر و اذکار اور تلاوتِ قرآن وغیرہ کا بھی معمول پایا جاتا ہے مگر کیا رمضان کے بعد بھی یہ کیفیت باقی رہتی ہے، نماز کا یہ شوق، اجر وثواب حاصل کرنے کی یہ تڑپ اور اللہ کا خوف بعد میں پایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں، عید کے چاند نکلنے کے بعد رمضان کے ساتھ انسان کی یہ فکر، خوف، اہتمام اور تمام دینی تڑپ بھی رخصت ہوجاتی ہے، پھر مسجد میں وہی چند گنے چنے لوگ باقی رہ جاتے ہیں جو پورے سال نماز کے عادی ہوتے ہیں۔

اِس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان میں روزے تو رکھے گئے مگر ان کے آداب کی مکمل رعایت نہیں کی گئی، عام طور پر نوجوان روزے کی حالت میں تاش اور جوا کھیلنے میں مشغول رہتے ہیں اور ٹی وی تو ہر گھر کی زینت بنی ہوئی ہے جس کے شکار مرد وعورت، جوان، بچے، بوڑھے ہر ایک ہیں، یہ تمام شیطانی کام ٹائم پاس کے بہانے کئے جاتے ہیں اور بعض لوگوں کا غیبت، جھوٹ، فریب اہم مشغلہ رہتا ہے، ان امور کی وجہ سے دل ودماغ میں نہ تو اللہ کا حقیقی خوف پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ہی تزکیۂ قلب حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رمضان کی چھاپ دل پر تادیر باقی نہیں رہتی بلکہ وقت کے ساتھ ہی اس کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان روزہ کے آداب کا خاص خیال رکھیں جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان کا اہتمام کریں؛ تاکہ رمضان کا حقیقی مقصد حاصل ہوسکے۔

❍❖❍

دنیا میں کیا کیا ہوگا؟

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین واستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِي اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكْثُرُ فِيْهِ الْقُرَّاءُ وَيَقِلُّ فِيْهِ الْفُقَهَاءُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَ يَكْثُرُ الْهَرَجُ قَالَ: مَا الْهَرَجُ؟ قَالَ: اَلْقَتْلُ بَيْنَكُمْ، ثُمَّ يَأْتِي بَعْدَ ذٰلِکَ زَمَانٌ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ الرَّجُلُ لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ زَمَانٌ يُجَادِلُ الْمُشْرِكُ بِاللّٰهِ الْمُؤْمِنَ فِيْ مِثْلِ مَا يَقُوْلُ. (رواه الحاكم وصححه والطبراني في الاوسط)

دنیا میں ایک زمانہ اور ایک دور ایسا آئے گا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے تو بہت مل جائیں گے لیکن سمجھنے والے خال خال ملیں گے، علم رخصت ہوجائے گا اور ہرج عام ہوگا، راوی نے معلوم کیا ہرج کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپسی قتل وغارت گری۔ پھر اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک آدمی قرآن پڑھے گا مگر وہ اس کی ہنسلیوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ پھر اس کے بعد ایک اور زمانہ آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا مومن سے دعویٰ توحید میں حجت بازی کرے گا۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والے بکثرت ہوں گے؛ لیکن......

یقیناً قرآن کریم کی تلاوت بہت ثواب اور بڑی سعادت کا کام ہے، ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں؛ لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ قرآنِ کریم صرف تلاوت کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ عمل کے لیے بھی نازل ہوا ہے، ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں، نامۂ اعمال میں نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی، لیکن جب تک تعلیمات قرآنی پر ہمارا عمل نہیں ہوگا، ہم اللہ کی اس مقدس کتاب کی صحیح طور پر قدر کرنے والے نہیں کہلائیں گے، ہماری زندگی قرآنی تعلیمات و ہدایات سے خالی ہو، ہمارے معاملات قرآنی تعلیمات اور ہدایات سے خالی ہوں، ہمارا معاشرہ قرآنی تعلیمات اور ہدایات سے خالی ہو اور زبان

سے قرآنی الفاظ کی تلاوت کرتے ہوں تو ثواب ضرور ملے گا، لیکن حق ادا کرنے والے ہم نہیں ہوں گے، حق اسی وقت ادا ہوگا جب ہم تلاوت کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھیں کہ اللہ کا یہ کلام ہم سے کیسی زندگی گذارنے کا مطالبہ کررہا ہے، کیسا کردار پیش کرنے کا مطالبہ پیش کررہا ہے، کیسے اخلاق پیش کرنے کا مطالبہ کررہا ہے، اس کو سمجھنے کے بعد ہم اپنی زندگی میں اس کو جگہ دیں تو کسی درجے میں ہم اللہ کے اس کلام کا حق ادا کرنے والے قرار دیئے جائیں گے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

أُنْزِلَ عَلَيْكُمُ الْقُرْآنُ لِتَعْمَلُوْا بِهٖ. (تفسیر ابن عطیة ۱۰/۱۸)

قرآنِ کریم تمہارے درمیان اس لیے اتارا گیا ہے تاکہ تم اللہ کے اس کلام پر عمل کرنے والے بنو۔

اور عمل انسان کب کرے گا جب قرآن کریم اس کو سمجھ میں آئے گا، مطالبات قرآنیہ اس کے سامنے آئیں گے تو پھر وہ عملی زندگی میں بھی اس کو جگہ دے گا اور جب اسے یہ پتہ ہی نہیں کہ پنجوقتہ نماز میں جو سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اس کا کیا ترجمہ ہے اور اس میں کیا مضمون بیان کیا گیا ہے تو پھر وہ عمل کیا کرے گا؟ دینی مجلسوں اور اللہ والوں کی محفلوں میں بیٹھ کر، اور دینی سمجھ رکھنے والے لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے میں یقیناً دینی شعور اور بیداری حاصل ہوتی ہے لیکن کلام اللہ کے سمجھنے کا حق اسی وقت انسان کو حاصل ہو پائے گا جبکہ وہ خود اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کرلے کہ قرآن کریم اس سے کیا مطالبہ کررہا ہے؟ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہم دنیا کی ہر زبان کو سیکھنے پر قادر ہیں، کوشش کرتے ہیں تو انگریزی فرفر بولنے لگتے ہیں، ہندی ہمیں آجاتی ہے، اردو تو ہماری مادری زبان ہے ہی، اور اس کے علاوہ دنیا میں رائج مختلف زبانوں کو اگر کوئی سیکھنا چاہتا ہے تو آسانی سے سیکھ لیتا ہے، اگر ہم قرآن کریم کی زبان کو جو سید اللسان ہے، تمام زبانوں کی سردار ہے، اہل جنت کی بھی وہی زبان ہوگی، سیکھنے کی کوشش کریں گے تو کیا وہ زبان نہیں سیکھ پائیں گے، کیوں نہیں؟ اسی نیت سے انسان سیکھے کہ قرآن کریم سمجھیں گے تو اللہ تعالیٰ اتنی جلدی سکھائیں گے کہ اس کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ. (القمر: ۱۷)

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تو قرآنِ کریم کو آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے، ہو تو کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

کوئی یہ طلب اور جذبہ اپنے دل میں لائے اور پھر قرآن کریم کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی راہوں کو آسان کردیں گے۔ کمی صرف ارادے، عزم، دلچسپی اور شوق کی ہے۔ اگر ہم ارادہ کرلیں ذوق وشوق کا مظاہرہ کریں تو انگریزی سے زیادہ آسانی کے ساتھ ہم عربی زبان سیکھ سکتے ہیں لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب ہماری نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت ہو، کوئی حیثیت ہم اس چیز کو دیتے ہوں تو شوق پیدا ہوگا طلب پیدا ہوگی اور اگر دنیا کی زیب وزینت اور ٹیپ ٹاپ کے سامنے کوئی دوسری چیز ہماری نگاہ میں آتی ہی نہیں ہے تو یہ زندگی گزر جائے گی اور اس اہمیت کا ہمیں احساس تک نہیں ہوگا۔ ایک مسلمان کو صرف دنیا کی زندگی کو ہی پیش نظر نہیں رکھنا ہے بلکہ اس کے پیش نظر حقیقت میں دنیا کے بعد شروع ہونے والی زندگی ہونی چاہیے اور اس کو وہ کام کرنا چاہیے جو اس دنیا میں بھی اس کے لیے مفید اور نافع ہو اور آخرت میں بھی کامیابی اور سرخ روئی کا باعث بنے۔

اَب تو تلاوت کرنے والے بھی کمیاب ہیں

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ دنیا میں ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن کریم پڑھنے والے تو بہت ملیں گے لیکن سمجھنے والے انگلیوں پر گنے جائیں گے، مگر اب تو صورتِ حال ایسی ہے کہ پڑھنے والوں کی تعداد بھی کم ہوتی جارہی ہے، بڑی بڑی عمر ہمارے بھائیوں، بہنوں کی ہوجاتی ہے، بڑھاپے کی دہلیز پر بھی قدم رکھ لیتے ہیں لیکن قرآن کریم کے پڑھنے پر وہ قادر نہیں ہوتے، سمجھنا تو دور کی بات۔ ماحول ان کو گھر میں ایسا نہیں ملتا، سوسائٹی ایسی نہیں مل پاتی، تربیت کا ایسا ماحول ان کے لیے تیار نہیں ہو پاتا جس کے اندر شامل ہوکر وہ اللہ کے کلام کو شروع سے ہی پڑھنے والے بن جائیں، ہمارا تعلق تو قرآن کریم سے رسمی سا رہ گیا ہے، دلی تعلق ختم ہوتا چلا جارہا ہے، گھر میں کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم ہمیں یاد آتا ہے، ورنہ جزدانوں پر دھول جمی رہتی ہے اگر جزدان چڑھیں ہوں، اگر جزدان نہ ہوں تو قرآن کریم پر گرد کا انبار لگا رہتا ہے، طاقوں اور الماری کی زینت ہم نے قرآن کریم کو بنا رکھا ہے، بیٹی کو رخصت کرتے ہیں تو قرآن کے سائے میں رخصت کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم کا حق ادا کردیا اور افسوس کی بات یہ ہے کہ گھر میں کسی کا انتقال ہوتا ہے تو گھر والوں کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی باہر سے بلایا جاتا ہے ایصال ثواب کے لیے کہ تم قرآن خوانی کردو اور میت کو ثواب پہنچادو،

افسوس کی بات ہے، لمحۂ فکریہ ہے کہ ہم اس لائق بھی نہیں ہیں کہ ہمارا جوعزیز ہمارے درمیان سے رخصت ہوا ہے چند آیات قرآنیہ کی تلاوت کر کے اس کی روح کو تسکین پہنچا سکیں، یہ صلاحیت اور استعداد بھی ہمارے اندر نہیں رہی، اس پہلو پر آدمی سوچے، غور کرے، پھر اپنی زندگی کو اس راستے اور ڈگر پر ڈالنے کی کوشش کرے جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کو لانے کی کوشش فرمائی ہے، اور جو اس کوشش کا حصہ بن گیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات کو قبول کر لیا تو دنیا میں بھی سربلندی اور آخرت میں بھی سرخ روئی اور سرفرازی حاصل کرنے والا ہوگا، ہمیں قرآن کریم سے رسمی تعلق کا مظاہرہ نہیں کرنا ہے، بلکہ حقیقی اور سچے تعلق کا مظاہرہ کرنا ہے، اللہ کے کلام کے اندر وہ صلاحیت ہے کہ جو اس سے جڑ گیا اس میں انقلاب پیدا ہو گیا، عزتیں مل گئیں، طاقت وقوت اس کو حاصل ہوگئی، اور جس کا رشتہ قرآن کریم سے کمزور ہو گیا، پستیاں، ذلتیں اور ہر طرح کی خواری اس کا مقدر بنتی چلی جائے گی، یہ تو قرآن کریم کا کرشمہ ہے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ. (مسند احمد حديث نمبر ۲۳۲)	اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو رفعت وعظمت اور بلندی عطا فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو اسی کتاب کے ذریعے قعر مذلت میں گرا دیتے ہیں۔

جو قرآن کریم پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں ان کو عزتیں ملتی ہیں اور جو قرآنی تعلیمات کو نظر انداز کرنے والے ہوتے ہیں دنیا میں چاہے وہ جتنے بڑے تیس مار خاں ہوں اللہ کی نگاہ میں ذلت وخواری ان کا مقدر بنتی جاتی ہے، ہمیں قرآن کریم سے حقیقی محبت کا مظاہرہ کرنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ہماری زندگی میں زندہ ہو اور ہماری زندگی قرآنی تعلیمات کا نمونہ ہو۔

ہمیں صرف ایصالِ ثواب کے لیے یا خاص خاص مواقع پر قرآن کریم سے تعلق کا ثبوت پیش نہیں کرنا ہے، بلکہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کا معمول بنانا ہے اور اس کے مطالبے کے متعلق زندگی گزارنے کا عزم کرنا ہے۔

ایصالِ ثواب کا طریقہ

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ شریعت میں میت کو ثواب پہنچانے کے لیے کوئی خاص عمل

متعین نہیں ہے۔ہم کوئی بھی خیر کا کام کریں اس کے بعد یہ نیت کرلیں کہ الٰہ العالمین ہمارے اس عمل کا ثواب ہمارے فلاں بھائی یا بہن کو پہنچا، زندوں کو پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کو بھی ملے گا اور مردوں کو پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کو بھی ملے گا،ثواب پہنچانے کے لیے کوئی بھی عمل خیر کیا جاسکتا ہے،قرآن کریم کی تلاوت ہو یا اللہ کا ذکر ہو،نمازیں پڑھی جائیں،صدقہ کردیا جائے،روزہ رکھ لیا جائے،کسی غریب کی مدد کردی جائے،بے سہارا کے لیے سہارے کا بندوبست کردیا جائے،خیر کا کوئی بھی کام کردیا جائے اور یہ نیت کرلی جائے کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے تو ان شاءاللہ ثواب پہنچے گا اور خود عمل کرنے والے کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں آئے گی اور پھر ایصالِ ثواب کے لیے شریعت نے کوئی دن متعین نہیں کیا ہے،اس کو بالکل عام رکھا ہے۔ہم روزانہ کا معمول بنالیں قرآن کریم کی تلاوت کرکے،نماز پڑھ کے یا صدقہ وخیرات کرکے میت کو ثواب پہنچائیں گے،دوسرے دن بھی پہنچائیں تیسرے دن بھی پہنچائیں،چوتھے پانچویں دن بھی پہنچائیں۔جب بھی اللہ توفیق دیتے رہیں،ثواب پہنچاتے رہیں۔

تیجہ،دسواں،چالیسواں وغیرہ درست نہیں

لیکن ہمارے معاشرہ میں اس سلسلے میں یہ غلط رسم چل پڑی ہے کہ ہم نے تیجے کے نام پر ثواب پہنچانے کے لیے تیسرے دن کو خاص کرلیا ہے،جس میں دیگوں پر دیگیں بنتی ہیں اور پھر ثواب پہنچایا جاتا ہے،پھر تیجے کے بعد دسویں کے نام پر ہم نے دسویں دن کو خاص کرلیا،پھر اسکے بعد چالیسواں ہوتا ہے اور پھر برسی ہوتی ہے،ان مخصوص ایام میں ثواب پہنچانے کو خاص کرنا یہ شریعت کی اس عام چیز کو مقید ومحدود کرنا ہے،جس کو شریعت نے بالکل کھلا رکھا تھا،اسی کا نام بدعت ہے کہ دین میں کسی نئی چیز کو دین سمجھ کر داخل کر دینا،آپ روزانہ ثواب پہنچائیں اس میں تیسرا دن بھی آتا ہے،دسواں دن بھی آتا ہے،بیسواں دن بھی آتا ہے،چالیسواں دن بھی آتا ہے،برسی بھی آتی ہے۔اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن دو دن تو آپ کو میت کی فکر نہیں ہوئی اور تیسرے دن ایسی فکر ہوئی کہ دیگوں پر دیگیں چڑھ رہی ہیں اور باقاعدہ لوگوں کو قرآن پڑھنے کے لیے بلایا جارہا ہے پھر سوگئے اور پھر دسویں دن بیدار ہوئے اور پھر ثواب کا اہتمام کیا گیا اور پھر فکر ختم ہوگئی اور چالیسویں دن پھر اہتمام کیا گیا یہ جو مخصوص دنوں کے لیے جوڑا جارہا ہے اور ثواب پہنچانے کے لیے اس عمل کو کیا جارہا ہے،یہی وہ چیز ہے جس کو شریعت میں اپنی طرف سے اضافہ کہا جاتا ہے،یہ سنت

کی خلاف ورزی ہے، اسی کا نام بدعت ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور اس راستے کو اختیار کرنا ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا اور حضرات صحابہ کرامؓ نے عمل کر کے دکھلایا، عجیب رسم چل پڑی ہے کہ جس گھر میں انتقال ہوتا ہے، رنج وغم کا ماحول ہوتا ہے، ان کو تیجے دسویں کے نام پر ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں، حالانکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہ حکم دیا کہ جس گھر میں وفات ہو جائے تو ان کے گھر کھانا پہنچایا جائے۔ حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کا جب آپ کو علم ہوا، آپ مدینہ منورہ میں تھے، تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرَ طَعَامًا'' (جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو) اس لیے کہ وہ رنج وغم کے اندر مشغول ہیں، کھانے کی ان کو فکر نہیں ہوگی، آپ تو یہ ہدایت دے رہے ہیں اور یہاں معاشرے نے اسی کے اوپر بوجھ ڈال دیا ہے اور ایسا ماحول بنا دیا ہے کہ اگر وہ اپنے جانے والے کے جانے پر یہ رسمیں نہیں کرے گا تو معاشرے کے لوگ ہی اس کی زندگی اجیرن کر دیں گے، کہ یہ تو اتنا بڑا بخیل، کنجوس ہے کہ اپنے دادا کے نام پر تیجا نہ کر سکا، چالیسواں نہ کر سکا یہ تمام چیزیں شریعت کی خلاف ورزی ہیں اور سنت مطہرہ کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم سے حقیقی تعلق نصیب فرمائے۔ ہم خود قرآن کریم پڑھنا سیکھیں اور اس کو پڑھ کر ہم اپنی میت کو ثواب پہنچائیں اللہ ہمیں بھی اس کا ثواب عطا فرمائے گا، یاد رکھیے رسمی تعلق سے کام چلنے والا نہیں، بعض جگہوں میں دیکھا گیا قرآن خوانی کرنے والوں کی کچھ ٹولیاں ہوتی ہیں، ان کو کوئی بھی بلا لے وہ پہنچتے ہیں اور باقاعدہ طے ہوتا ہے کہ اتنا اتنا ملے گا، علماء وفقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر قرآن کو اس طرح پڑھا جائے گا تو پڑھنے والے کو بھی خود ثواب نہیں ملے گا چہ جائے کہ وہ دوسرے مرنے والے کو ثواب پہنچائے، جن کو بلا کر ہم قرآن خوانی کرا رہے ہیں، جب ان کو تلاوت پر خود ثواب نہیں ملتا تو دوسروں کو کیا ثواب ملے گا تو سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ ہم خود اپنے عمل کے ذریعے ثواب پہنچائیں گھر کے لوگ اکٹھا ہوں قرآن کی تلاوت کریں خیر کا کام کریں اور جانے والے کو ثواب پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ پڑھنے والوں کو بھی ثواب عطا فرمائیں گے اور جانے والوں کو بھی۔

اولیاتِ صحابہؓ

انصارِ مدینہ میں
سب سے پہلے اِیمان لانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر یوپی

انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ۶ رصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سب سے پہلے ایمان لائے ہیں، ان سے پہلے کوئی مخصوص صحابی ایمان نہیں لائے، محدث ابن اسحاقؒ کی روایت کے مطابق وہ صحابۂ کرامؓ یہ ہیں: (۱) اسعد بن زرارہ (۲) رافع بن مالک (۳) قطبہ بن عامر (۴) جابر بن عبداللہ بن رئاب (۵) عوف بن الحارث (۶) عقبہ بن عامر، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت زکریا بن زیدؒ نے اپنے والد زیدؒ سے ان ۶ رصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ''ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ'' کا نام نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ۶۵۶/۸، کتاب مناقب الانصار، باب وفود الانصار الخ، زاد المعاد ۴۳/۲، فصل فی الہجرۃ، سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۲۴۷/۲، طبقات ابن سعد ۱۸۶/۱، ۱۸۷)

حضرت موسیٰ بن عقبہؒ کی روایت کے مطابق وہ چھ صحابۂ کرامؓ یہ ہیں: (۱) اسعد بن زرارہ (۲) رافع بن مالک زرقی (۳) معاذ ابن عفراء (۴) یزید بن ثعلبہ (۵) ابوالہیثم بن التیہان (۶) عویم بن ساعدہ، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ۸ رصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور مندرجہ بالا ۶ رصحابۂ کرامؓ کے ساتھ عبادہ بن الصامت اور ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام ذکر کیا ہے۔ امام المغازی علامہ واقدیؒ فرماتے ہیں کہ ۶ رصحابۂ کرامؓ کے ایمان والی روایت زیادہ معتبر ہے۔ (فتح الباری ۶۵۶/۸، باب وفود الانصار الخ، طبقات ابن سعد ۱۸۶/۱)

بعض حضرات ''جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہ'' کے بارے میں، بعض ''بشیر بن سعد بن ثعلبہ خزرجی رضی اللہ عنہ'' کے بارے میں، محمد ابن اسحٰقؒ ''عقبہ بن وہب بن کلدہ رضی اللہ عنہ'' کے بارے میں، اور بعض مؤرخین ''براء بن معرور رضی اللہ عنہ'' کے بارے میں کہتے ہیں۔ (الاستیعاب ۱۳۶/۱، باب جابر، ۳۵/۲، ترجمہ عقبہ بن وہبؓ، البدایہ والنہایہ ص ۱۰۲۹، ۱۲ھ کے واقعات، فتح الباری ۶۵۸/۸، باب وفود الانصار الخ)

مندرجہ بالا ۱۵/صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ۴/صحابۂ کرامؓ (اسعد بن زرارہ، ذکوان بن عبدقیس، رافع بن مالک زرقی اور معاذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم) کے مختصر حالات گزشتہ سطور میں آچکے ہیں، باقی ۱۱/صحابۂ کرامؓ (قطبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ بن رئاب، عوف بن الحارث، عقبہ بن عامر، یزید بن ثعلبہ، ابوالہیثم بن التیہان، عویم بن ساعدہ، عبادہ بن الصامت، بشیر بن سعد بن ثعلبہ، عقبہ بن وھب بن کلدہ، براء بن معرور رضی اللہ عنہم اجمعین) کے مختصر حالات تحریر کئے جاتے ہیں:

(۵) حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

نام قطبہ، کنیت ابوزید، قبیلۂ خزرج میں سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے: قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ الانصاری الخزرجی السلمی۔ عقبہ کی تینوں بیعتوں میں شریک ہوئے، غزوۂ بدر واُحد وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے، غزوۂ بدر میں نہایت بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا، مسلمانوں اور کفار کی صفوں کے درمیان ایک پتھر پھینک کر کہا ''لا افرُّ حتّٰی یفِرَّ ھٰذا الحَجَرُ''، جب تک یہ نہ بھاگے گا میں بھی نہ بھاگوں گا۔ غزوۂ اُحد میں نو (۹) زخم کھائے۔ فتح مکہ میں اپنے قبیلے ''بنوسلمہ'' کے علم بردار رہے۔ (الاستیعاب ۲/۱۵۵۔ اسد الغابہ، ترجمہ قطبہ بن عامرؓ)

اِمارتِ سریہ:- ماہِ صفر ۹ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ۲۰/افراد پر مشتمل ایک سریہ قبیلۂ خثعم کے مقابلے کے لیے روانہ فرمایا، حضرت قطبہ بن عامرؓ نے جاکر مقابلہ کیا، قبیلۂ خثعم کو شکست ہوئی، کچھ اونٹ اور بکری نیز کچھ قیدی مالِ غنیمت لے کر واپس ہوئے، خمس نکالنے کے بعد چار چار اونٹ ہر شخص کے حصے میں آئے، اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔ (الخصائص الکبریٰ ۱/۴۵۵، باب ماوقع فی سریۃ قطبہؓ، طبقات ابن سعد ۲/۱۴۸، مغازی رسول اللہ ﷺ وسرایاہ)

محبتِ نبوی اور رسم ورواج کی مخالفت:- زمانۂ جاہلیت میں انصار اور قریش کے بعض قبائل احرام کی حالت میں گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ نقب لگاکر پشت کی طرف سے یا سیڑھی کے ذریعے دیوار کے اوپر سے داخل ہوتے تھے؛ لیکن قریش کے چند قبیلے مستثنیٰ تھے جن کو ''حُمس'' کہا جاتا تھا، حدیبیہ کے موقع پر ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں کسی کمرے میں یا باغ میں داخل ہوئے، پیچھے پیچھے حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی داخل ہوگئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سوال کیا کہ احرام کی حالت میں دروازے سے کیوں داخل ہوئے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے ساتھ چلا آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تو ''احمسی'' ہوں، عرض کیا: ''دِینِي دِینُکَ'' ، جو آپ کا دین ہے وہی میرا بھی ہے، قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے اسی عمل کی تائید میں سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۹ ﴿و لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَأْتُوا الْبُیُوتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا﴾ ، نازل ہوئی، گویا سب سے پہلے اس رسم کے ترک کرنے والے حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ (معرفۃ الصحابہ ۲۳۴۵-۲۳۴۶، تفسیر قرطبی ۲/۲۳۰)

وفات:- حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں انتقال فرمایا۔ (الاستیعاب ۲/۱۵۵) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(۶) حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہ

نام ونسب یہ ہے: جابر بن عبداللہ بن رئاب بن النعمان بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ الانصاری الخزرجی السلمی۔ (الاستیعاب ۱/۱۳۶، اسد الغابہ، ترجمہ ''جابر بن عبداللہ بن رئاب'')

ماں کا نام اُمّ جابر بنت زُہیر بن ثعلبہ، ماں بھی قبیلۂ بنوسلمہ سے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ عقبہ کی صرف پہلی بیعت (جس میں چھ افراد نے بیعت کی تھی) میں شریک رہے ہیں، اس کے بعد ''بیعت عقبۂ اولیٰ وثانیہ'' میں شرکت نہیں فرما سکے، آپؓ غزوۂ بدر واُحد وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ۳/۵۳۱، ترجمہ ۳۰۱، اسد الغابہ، ترجمہ جابر بن عبداللہ بن رئاب)

آپؓ سے چند احادیثِ شریفہ بھی مروی ہیں، مثلاً: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''مَرَّ بِی جبرئیلُ وَ اَنَا اُصَلِّی فَضَحِکَ اِلَیَّ فَتَبَسَّمْتُ اِلَیْهِ'' ، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے پاس سے گزرے، میں نماز پڑھ رہا تھا، چناں چہ وہ میری جانب دیکھ کر ہنسے، میں بھی اُن کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ (معرفۃ الصحابہ ۶/۵۳۶، ترجمہ ۴۴۸) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(۷) حضرت عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ

نام عوف، بعض نے عوذ کہا ہے، لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے، باپ کا نام حارث، ماں کا نام عفراء، سلسلۂ نسب یہ ہے: عوف بن الحارث بن رفاعہ بن الحارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار الانصاری الخزرجی النجّاری۔ ماں کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: عفراء بنت عبید بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار۔ (الاستیعاب ۲/۱۲۱، ۱۲۲، ترجمہ ۲۰۱۳۔ طبقات ابن سعد ۳/۴۵۷، طبقۃ البدریین من الانصار)

دیگر احوال:- حضرت عوف بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ کی تینوں بیعتوں میں شرکت کی سعادت حاصل کی، غزوۂ بدر میں اپنے بھائیوں (معاذ اور مُعوِّذ رضی اللہ عنہما) کے ساتھ شریک ہوئے، اور جس وقت عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے سب سے پہلے میدان میں نکل کر اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا تو حضرت عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے بھائی مُعوذ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۴۸۵، غزوۂ بدر العظمیٰ یوم الفرقان)

شہادت:- حضرت عاصم بن عمر بن قتادہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "یارسول اللّٰہ مَایُضْحِکُ الرَّبَّ مِنْ عَبْدِہٖ"، (یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کو بندے کی کیا چیز خوش کرتی ہے؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "غَمْسُہٗ یَدَہٗ فِی العَدُوِّ حَاسِرًا"، (بندے کا برہنہ ہوکر (جسم پر زرہ اور سر پر خود کے بغیر) اللہ کے دشمن کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگنا) حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار لے کر قتال شروع کر دیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ (معرفۃ الصحابہ ص ۲۲۰۷، ترجمہ ۲۳۰۳، سیرۃ المصطفیٰ ۲/۹۰) رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۸) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:- نام عقبہ، باپ کا نام عامر، ماں کا نام فُکیہہ، سلسلۂ نسب یہ ہے: عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ الانصاری الخزرجی السلمی۔ ماں کا نسب نامہ یہ ہے: فُکیہہ بنت سَکَن بن زید بن امیہ بن سنان بن کعب بن عدی بن کعب بن سلمہ۔

دیگر احوال:- حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقبہ کی تینوں بیعتوں میں شریک ہوئے، غزوۂ بدر واُحد وغیرہ تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے، غزوۂ اُحد میں اپنی خَود میں سبز پٹی کا نشان لگایا تھا، آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں جنگ یمامہ ۱۲ھ میں شہادت پائی۔ (الاستیعاب ۲/۳۳۲، ترجمہ ۱۸۳۴، طبقات ابن سعد ۳/۵۲۶، طبقۃ البدریین من الانصار، اسد الغابہ، ترجمہ عقبہ بن عامر)

حضرت ابونعیم اصفہانیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر سلمیؓ اپنے بیٹے کو لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے بیٹے کو کچھ آسان سی دعائیں سکھا دیجیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے برابر میں بٹھا کر فرمایا کہ اے لڑکے! کہو: "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ صِحَّۃً

فی اِیْمَانٍ واِیْمَاناً فی حُسْنِ خُلُقٍ وصَلاحاً یُتْبِعُهُ نَجاحٌ“۔لڑکے نے مزید کی درخواست کی،آپ نے پھر یہی کلمات بتلائے،لڑکے نے عرض کیا کہ میں سمجھ گیا۔(معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ص ۲۱۵۸،ترجمہ ۲۲۴۵)

لیکن حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ”عقبہ بن عامر سلمی“ دوسرے صحابی ہیں، کیوں کہ ”عقبہ بن عامر بن نابی“ کے بارے میں ابن سعد نے طبقات میں کہا ہے کہ ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، واللہ اعلم۔(الاصابہ،ترجمہ عقبہ بن عامرؓ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(۹) حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:- نام یزید،کنیت ابوعبدالرحمٰن،بعض نے ابوعبداللہ بتائی ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:
یزید بن ثعلبہ بن خَزْمہ بن اَصْرَم بن عمرو بن عَمّارہ بن مالک بن عمرو بن بشیرہ بن مشنوء بن القُشَر بن تمیم بن عوذمَنَاۃ بن ناج بن تیم بن اِراشۃ بن عامر بن عُبَیلۃ بن قسمیل بن فَرّان بن بلیّ بن عمرو بن الحاف بن قُضاعۃ۔ابن سعدؒ نے طبقات میں ”بشیرہ“ کے بجائے ”بکیر“ ذکر کیا ہے،اور ”مشنوء“ کا ذکر نہیں کیا۔
(اسد الغابہ،ترجمہ یزید بن ثعلبہؓ۔طبقات ابن سعد ۳۷۲/۴)

دیگر احوال:- بیعت عقبۂ اولیٰ وثانیہ دونوں میں شریک ہوئے،(لیکن بندۂ حقیر کہتا ہے کہ چوں کہ موسیٰ بن عقبہؒ نے سب سے پہلے ایمان لانے والے چھ صحابۂ کرامؓ میں ان کا نام ذکر کیا ہے،اس لیے ان کی روایت کے مطابق تینوں بیعتوں میں آپؓ کی شرکت ماننی ہوگی۔)

حضرت خولہ بنت الصامت رضی اللہ عنہا (عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی بہن) سے نکاح کیا، ایک لڑکا عامر اور ایک لڑکی امّ عثمان پیدا ہوئے۔حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ”خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا“ ہی وہ خاتون ہیں جن سے ان کے شوہر ”اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ“ نے ظہار کیا، جس کا واقعہ سورۂ مجادلہ میں ہے۔آپ غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔(طبقات ابن سعد ۳۵۲/۱۰،۳۵۳۔تفسیر قرطبی ۱۷۵/۱۷) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(۱۰) حضرت ابوالہیثم بن التیّہان رضی اللہ عنہ

نام ونسب:- نام مالک،کنیت ابوالہیثم،لقب ذوالسیفین،قبیلۂ اوس سے ہیں،علامہ ابن الاثیر جزریؒ اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:ابوالہیثم مالک بن التیہان بن مالک بن عبید

بن عمرو بن عبدالاعلم بن زعوراء بن جُشَم بن الحارث بن الخزرج بن عمرو بن مالک بن اوس الانصاری الاوسی۔ محمد بن سعد زہریؒ نے طبقات میں اس طرح بیان کیا ہے: ابوالہیثم مالک بن التیہان بن مالک بن عمرو بن زید بن عمرو بن جُشَم بن الحارث، الخ۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے یوں بیان کیا ہے: ابوالہیثم مالک بن التیہان بن مالک بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعوراء، الخ۔ زعوراء بن جُشَم عبدالاشہل کا بھائی تھا، جب کہ موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو واقدی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ آپ "بلوی" ہیں اور بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ سے ہیں، جن کے بنی عبدالاشہل سے حلیفانہ تعلقات تھے،...... ماں کا نام ونسب یہ ہے: یعلی بنت عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم، الخ۔ (اسد الغابہ، ترجمہ مالک بن التیہان، الاستیعاب ۱۹۷/۲، باب مالک۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴۴۹/۷، باب الکنی، ترجمہ ۱۰۶۸۳،۲۴۵۹۔ طبقات ابن سعد ۴۱۲/۳، طبقۃ البدریین من الانصار۔ سیر اعلام النبلاء ۱۸۹/۱، ترجمہ ۲۲، شاملہ)

اسلام اور بعض دیگر احوال:- طبقات ابن سعد میں ہے: "وَ كَانَ اسعدُ بنُ زُرَارَةَ و ابُو الْهَيْثَمِ بْنُ التَّيِّهَانِ يَتَكَلَّمَانِ بِالتَّوْحِيدِ بِيَثْرِبَ"، یعنی مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً وعظمۃً) میں حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام لانے سے پہلے ہی توحید کے قائل تھے۔ (طبقات ابن سعد ۱۸۵/۱، ذکر دعاء رسول اللہ ﷺ الاوس والخزرج)

حضرت موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق تو آپؓ ان چھ باسعادت افراد میں سے ہیں جو سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، جب کہ طبقات ابن سعد میں یہ روایت منقول ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ آنے کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع کی، سب سے پہلے ابوالہیثم بن التیہان سے ملاقات ہوئی، وہ بلاچوں وچرا فوراً اسلام لے آئے، واللہ اعلم۔ (فتح الباری ۶۵۶/۸، کتاب مناقب الانصار، باب وفود الانصار الخ۔ طبقات ابن سعد ۱۸۶/۱)

اکثر سیرت نگار و مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ پہلے سال بیعت میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ دوسرے اور تیسرے سال (یعنی بیعت عقبۂ اولیٰ اور ثانیہ میں) وہ شریک رہے ہیں۔ اور بنی عبدالاشہل کے بقول بیعت عقبۂ ثانیہ میں آپ نے ہی سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، اس سلسلے میں اختلاف کی تفصیل حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ بیعت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "نقباء" کا انتخاب فرمایا، اور بقول سفیان بن عیینہ ویحییٰ بن کثیر حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ "بنی عبدالاشہل" کا نقیب منتخب فرمایا۔ (الاصابہ ۴۴۹/۷، باب الکنی، ترجمہ ۱۰۶۸۳۔ الاستیعاب ۵۷/۱۔ سیر اعلام النبلاء ۲۰۱/۱، شاملہ) ❑❑❑

چوتھی قسط

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے

صدموں اور غموں بھرے لمحات

مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

اَخلاق و عادات

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اَخلاق و عادات کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھیں، ثروت و مال داری کے باوجود انتہائی قانع اور کبر و غرور سے پاک تھیں، شجاعت و بہادری کا وصف بھی نمایاں تھا، حلم و بردباری اور عزم وحوصلہ تو اِس درجہ تھا کہ معدودے چند ہی لوگ ہوں گے جو اِن اوصاف میں اُن کے ہم سر ہوں گے، اور جود وسخا کا کیا تذکرہ کہ اُنہوں نے اَپنا سب کچھ اِسلام پر قربان کرڈالا تھا، اعلیٰ درجہ کی صابرہ وشاکرہ اور خود دار تھیں، اور فہم وفراست میں سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔

فضائل ومناقب

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب کا باب نہایت وسیع ہے، اُن کی عظمت اور فضل وکمال کا سب سے زیادہ روشن وتابناک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کردیا تھا، اوراپنی پسند وناپسند کو اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند وناپسند اور مرضی وچاہت کے ساتھ مکمل طور پر ملادیا تھا، اِسلام سے پہلے دَور جاہلیت میں بھی وہ ستودہ صفات اور اَخلاقِ فاضلہ سے آراستہ تھیں۔ صلہ رحمی، فقیروں، بے کسوں، یتیموں، بینواؤں اور غلاموں کی امداد واعانت، مہمان نوازی اور حق کی تائید وحمایت ہمیشہ اُن کا شیوۂ حیات رہا، اوران اخلاق فاضلہ سے ہمیشہ وہ متصف رہیں جو نبوت کی صفات میں سے ہیں، نبوی صفات سے آراستہ ہونے ہی کا لازمی نتیجہ تھا کہ مقام رسالت ونبوت سے سرفراز کئے جانے پر جلالِ الٰہی کے غلبہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے قلب اطہر میں ایک خاص قسم کا کرب اور بے چینی کی کیفیت محسوس کی، اور اپنی جان عزیز کے اندیشہ کا اظہار فرمایا تو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ بالا صفات کا ہی تذکرہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتشفی کی، اور قلب اطہر میں اس کی وجہ سے سکون وقرار پیدا ہوگیا۔

دین اسلام کی امداد واعانت اوراس کی ترویج واِشاعت میں ام المؤمنین کی حیثیت خشتِ اَولیں کی ہے، اوردنیا میں آسمانی بادشاہت وحکمرانی کو وسیع سے وسیع تر کرنے اوراس کو مستحکم کرنے میں اُن کا اعلیٰ کردار شامل رہا ہے، چناں چہ منصب رسالت ونبوت پر فائز کئے جانے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی ادائیگی کا بیڑہ اُٹھایا اور ''صفا'' پہاڑی کی بلندی سے خدائے واحد کی وحدانیت کو اختیار کرکے اس کے حکم وحکمرانی کو کامل طور پر تسلیم کرلینے کا اعلان فرمایا، تو فضائے مکہ پر ایک عجیب سکوت طاری ہوگیا، جبل نور میں ''حراء'' کی کھوہ ہو یا ''جبل فاران'' کی چوٹیاں ''منیٰ'' کی گھاٹی ہو، یا ''عرفات'' کی وادی، سوقِ عکاظ'' ہو یا ''ذوالمجنہ'' کا بازار ''شامہ'' اور ''طفیل'' نامی چشمے اور پہاڑیاں ہوں یا مکہ مکرمہ کے قرب وجوار کی آبادیاں، ہر جگہ ایک مہیب سناٹا چھایا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ مقامات میں سے ہر ایک مقام پر تشریف لے گئے، اور یہ آواز لگائی:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا. (الاعراف: ۱۵۸)

اے لوگو! میں تم سب کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اللہ کا رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اور یہ صدا دی کہ:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ. (حج: ۴۹)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تم کو کھول کر۔

اور فرمایا:

اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ، اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ. (هود: ۲)

تم نہ عبادت کرو مگر اللہ کی، میں تم کو اسی کی طرف سے ڈر اور خوش خبری سناتا ہوں۔

نیز فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا. (سبا: ۲۸)

اور آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کو خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

اور فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا. (مسند احمد ۳۷۱/۵)

اے لوگو! ایک خدا کی بندگی اختیار کرلو، کامیاب ہوجاؤ گے۔

اور فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ. میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل (اورتم کو اس کی بلندیوں پر فائز کرنے) کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (السنن الکبریٰ للبیهقي ۱۹۱/۱)

تو ہر فرد بشر پیکر تصویر بنا ہوا تھا، اور پوری فضا پر گہرا سکوت طاری تھا، مگر اس عالمگیر خاموشی میں اگر کوئی آواز فضاء مکہ میں تموج پیدا کر رہی تھی، تو وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز تھی، جس نے ظلمت کدۂ شرک وکفر میں نور الٰہی کے دیئے کی لو کو اپنی تصدیق سے تیز کر دیا تھا، گویا اُن کا دل ضلالت وگمراہی کے گہوارہ میں انوار الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قبل از اسلام جس طرح تمام اخلاقِ فاضلہ کی پیکر تھیں، اسی طرح وہ کفر وشرک اور معبودانِ باطلہ کی عبادت وبندگی سے بھی بیزار تھیں، چناں چہ بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہی وہ بت پرستی ترک کر چکی تھیں۔ (مسند احمد ۲۲۲/۲)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب وفضائل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں:

(۱) بخاری شریف کی ایک روایت میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: ''عالم کی تمام عورتوں میں برتر وبہتر حضرت مریم بنت عمران ہیں، اور دنیا کی تمام عورتوں پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو برتری وبہتری حاصل ہے۔ (بخاری شریف ۵۳۸/۱ حدیث: ۳۶۷۸، مسلم شریف ۲۸۴/۲)

(۲) اللہ تعالیٰ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا سلام پہنچاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو کی جانب سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایک شاندار محل کی خوش خبری سنائی، چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بتایا کہ سیدہ خدیجہؓ برتن میں کچھ کھانے پینے کا سامان لا رہی ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جائیں تو اُن کو اللہ تعالیٰ کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے، اور جنت میں موتی کے ایک ایسے مکان کی بشارت سنا دیجیے کہ جس میں نہ شور وشغب ہوگا اور نہ محنت ومشقت۔ (بخاری شریف ۵۳۹/۱، مسلم شریف ۲۸۴/۲)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ رب العزت کی طرف سے ہدیہ سلام کی فضیلتِ اعزاز سے نوازی جانے والی صرف ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں، اس شرف وفضیلت میں کوئی اور ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ. (الحدید: ۲۱)

یہ اللہ کا فضل ہے، اور وہ جسے چاہتا ہے، اپنے فضل سے نواز دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(۳) بخاری شریف ہی کی ایک روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے جتنا رشک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا، اتنا رشک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی اور پر نہیں آتا تھا، حالاں کہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہوئی، تو ان کا انتقال ہو چکا تھا، ان پر رشک کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کو جنت میں موتیوں کے ایک محل کی خوش خبری سنادیں، اور جب بکری ذبح کرتے تو نہایت اہتمام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے یہاں ان کی ضرورت کے بقدر گوشت بھجوایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف ۱/۵۳۸ حدیث: ۳۶۷۹، مسلم شریف ۲/۲۸۴)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی یہ روایت بھی مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کے آنے اور ان کے اجازت طلب کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بے قراری کے ساتھ تذکرہ کیا، اور ''خدا کی قسم ہالہ معلوم ہوتی ہیں'' کا جملہ ارشاد فرماتے ہوئے استقبال کے لئے اُٹھے، تو میں نے عرض کیا کہ آپ ایک بڑھیا کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، جو کب کی اس دنیا سے جا چکیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر بیویاں آپ کو عطا کردیں۔

بخاری شریف کی حدیث ۳۶۸۴ میں اتنا ہی مذکور ہے، مگر صحیح مسلم کی ایک روایت میں بطور جواب یہ مرقوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔ (مسلم شریف ۲/۲۸۴)

اور اسی سلسلہ میں مسند احمد بن حنبل اور طبرانی کی المعجم الکبیر اور مجمع الزوائد وغیرہ میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''ہرگز نہیں، جب تمام لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب سب کے سب کافر تھے، تو وہ اسلام لائیں، میرا جب کوئی معین ومددگار نہیں تھا، اس وقت انہوں نے میری ہر طرح سے امداد واعانت کی، اور اللہ نے انہیں سے مجھے اولاد کی نعمت عطا کی''۔ (مسند احمد ۶/۱۱۷-۱۱۸، مجمع الزوائد ۹/۲۲۴، المعجم الکبیر ۲۳/۱۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سے باہر تشریف لے جاتے وقت یہ معمول تھا کہ پہلے نہایت خیر وخوبی کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

فرماتے، پس ایک دن جب حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محاسن کا تذکرہ شروع فرمایا تو شدت غیرت کی بنا پر مجھے برداشت نہیں ہوا، میں نے کہہ دیا کہ کیا ہر وقت آپ ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں، اللہ نے تو آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا کردی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میری بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوگئے، یہاں تک کہ شدت غضب کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے حصہ کے بالوں میں حرکت پیدا ہوگئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، اللہ نے مجھے ان سے بہتر کوئی بیوی عطا نہیں کی، لوگ جب کفر وضلالت کی تاریکی میں بھٹک رہے تھے، تو اس وقت وہ ایمان کی روشنی سے اپنے کو منور کر چکی تھیں، لوگوں نے مجھے جھٹلایا، تو انہوں نے میری تصدیق کی، جب کوئی ایک حبہ دینے کے لئے تیار نہیں تھا، تو انہوں نے اپنے مال کے ذریعہ میری مدد کی، اور اللہ نے مجھے ان سے اولادیں عطا کیں، جب کہ دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کو سن کر میں نے اپنے جی میں یہ فیصلہ کرلیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کبھی برائی کے ساتھ نہ کروں گی۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ان حضرات نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔ (مسند احمد ۱/۳۱۶-۳۲۲ بحوالہ اسد الغابہ ۵/۲۶۳)

(۶) ام المؤمنین سیدتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ایک روشن باب یہ بھی ہے کہ جب تک وہ زندہ رہیں، اس وقت تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ (مسلم شریف ۲/۲۸۴)

(۷) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں کو قابل اسوہ ونمونہ قرار دیا ہے، ان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں میں تمہارے لئے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہیں۔ (ترمذی شریف ۲/۲۲۷)

(۸) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تا حیات اسلام اور حضور اکرم ﷺ کیلئے ایک صاحب تدبیر مخلص وزیر کی حیثیت حاصل رہی۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۳۷۸، ماخوذ: امہات المؤمنین ۷۵-۱۰۶ ملخصاً) ☐☐☐ (جاری)

کتاب المسائل: مفتی محمد سلمان منصور پوری

حلالہ سے متعلق مسائل

غیر مراہق بچے سے حلالہ کرانا

چھوٹے بچہ (غیر مراہق) سے حلالہ کرانا معتبر نہیں۔

ولا ينكح مطلقة بها أي بالثلاث حتی يطأها غيره ولو مراهقاً يجامع مثله وقدره شيخ الإسلام بعشر سنين. (درمختار زكريا ٥/ ٤١)

جو شخص جماع پر قادر نہ ہو اس سے حلالہ کرانا

جو شخص اتنا کمزور یا بوڑھا ہو کہ اپنی قدرت سے وہ جماع پر قادر نہ ہو اور وہ اپنی شرم گاہ اپنے ہاتھ سے عورت کی شرم گاہ میں داخل کرے تو ایسے شخص سے حلالہ کرانا معتبر نہیں، اس حلالہ کے بعد بیوی شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوگی، ہاں اگر کمزور یا بوڑھے شخص میں مجامعت کے وقت جوش اور حرکت پیدا ہوجائے اور عام انسانی طریقے پر وہ صحبت کرلے تو اس کا کیا ہوا حلالہ جائز اور معتبر ہوگا۔

ولو أولج الشيخ الكبير الذي لا يقدر على الجماع بقوته بل بمساعدة اليد لا تحل للأول، إلا أن تنتشر آلته وتعمل، كذا في البحر الرائق. (هندية ١/ ٤٧٣، درمختار مع الشامي زكريا ٤/ ٤٦)

حلالہ میں شوہر ثانی کا انزال کرنا شرط نہیں

حلالہ میں شوہر ثانی کا بیوی سے مجامعت کرنا اس طور پر کہ مرد کی شرم گاہ عورت کی شرم گاہ میں داخل ہوجائے؛ ضروری ہے، اس کے بغیر حلالہ معتبر نہیں ہوگا؛ البتہ شوہر کے لئے انزال کرنا شرط نہیں، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، بہرصورت مجامعت صحت حلالہ کے لئے کافی ہے۔

أما الإنزال فليس بشرط للإحلال. (هندية ١/ ٤٧٣)

(مانع حمل غلاف: نرودھ وغیرہ) لگاکر حلالہ میں صحبت کرنا

حلالہ میں مانع حمل غلاف مثلاً نرودھ وغیرہ لگا کر یا کپڑا وغیرہ ذکر پر لپیٹ کر مجامعت کرنے میں اگر جسم کی حرارت اور جماع کی لذت محسوس ہوجائے، تو یہ بھی حلالہ کے لئے کافی ہے۔

وفي الفتاویٰ الصغری: إذا لف ذکرہ بخرقة وأدخله فرجها، فإن وجد الحرارة دخل، وإلا فلا. (هندية ٤٧٣/١، البحر الرائق ٩٤/٤، تبيين الحقائق بيروت ١٦٥/٣، مستفاد: فتاویٰ محمودیه ڈابھیل ٤٩٠/١٣)

حلالہ میں شوہر ثانی کا حالت حیض ونفاس میں صحبت کرنا

حلالہ میں اگر زوجِ ثانی نے حیض یا نفاس کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کرکے طلاق دے دی، تو عدت کے بعد شوہر اول سے نکاح کرنا جائز ہے؛ لیکن ناپاکی کے ایام میں بیوی سے صحبت کرنا حرام ہے، ایسا شخص گناہِ کبیرہ کا مرتکب قرار پائے گا، گوکہ حلالہ درست ہوجائے گا۔

ولو وطئها الزوج الثاني في حيض أو نفاس أو إحرام أو صوم حلت للأول، كذا في محيط السرخسي. (هندية ٤٧٣/١، درمختار مع الشامي زكريا ٤٦/٥)

اگر شوہر ثانی ہم بستری سے انکار کرے اور عورت دعویٰ کرے تو کیا حکم ہے؟

حلالہ میں اگر شوہر ثانی مجامعت اور ہم بستری سے انکار کرے اور بیوی دعویٰ کرے تو بیوی کا قول معتبر ہوگا اور عدت گذر جانے کے بعد شوہر اول سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

وعبارة البزازية: ادعت أن الثاني جامعها وأنكر الجماع حلت للأول. (درمختار علی هامش رد المحتار ٧٤٤/٢) **ولو قالت: دخل بي الثاني والثاني منكر فالمعتبر قولها.**

(شامی ٧٤٩/٢، مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ٣٦٠/٩)

حلالہ کی غرض سے نکاح کرنا

مطلقہ ثلاثہ سے بغرضِ حلالہ اس شرط پر نکاح کرنا کہ مجامعت کے بعد فوراً طلاق دیدے گا، یہ قابل مذمت عمل ہے، کیونکہ حدیث میں حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کرایا گیا ہے، دونوں پر لعنت آئی ہے، البتہ بلاکسی شرط کے نکاح ہو پھر شوہر ثانی اپنی مرضی سے ازخود طلاق دیدے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن شوہر ثانی کو طلاق دینے پر مجبور کرنا اور جبر واکراہ وظلم وزیادتی کرکے اس سے طلاق دلوانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لعن الله المحلل والمحلل له. (سنن ابن ماجه كتاب النكاح باب المحلل والمحلل له ١٣٩/١، رقم ١٩٣٦) **وكره التزوج للثاني تحريماً لحديث: لعن الله المحلل والمحلل له بشرط التحليل، وإن حلت للأول كتزوجتك على أن أحللك وإن حلت للأول لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال.** (در مختار مع الشامی زکریا ٤٧/٥، کراچی ٤١٤/٣، النهر الفائق ٤٢٣/٢، البحر الرائق ٥٨/٤، مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ٣٥٩/٩)

حلالہ میں ہم بستری کے فوراً بعد طلاق دینا

حلالہ میں شوہر ثانی کا بیوی سے ہم بستر ہونا شرط ہے، اور جس طہر (پاکی کی حالت میں) صحبت کی ہو، اس میں طلاق دینا بدعت اور مکروہ ہے، اس لئے شوہر ثانی ہم بستری کے فوراً بعد طلاق نہ دے، ورنہ بدعت وکراہت کا مرتکب قرار پائے گا؛ بلکہ جس پاکی کے زمانہ میں ہم بستری کی ہے، اس کے بعد والے طہر میں جماع کے بغیر طلاق دے؛ (تاہم اگر ہم بستری کے بعد اسی طہر میں طلاق دے دی، تب بھی طلاق ہوجائے گی، اور عدت گذار کر شوہر اول سے نکاح کرنا جائز ہوگا)

والبدعي ثلاث متفرقة أو ثنتان بمرة أو مرتين في طهر واحد لا رجعة فيه أو واحدة في طهر وطئت فيه. (درمختار مع الشامي ٥٧٦/٢، مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ٢٩٥/٩) ❍❖❍

ندائے شاہی ایک اِصلاحی تحریک ہے، اِس کے ممبر بنئے اور اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے، شرحِ اشتہارات درج ذیل ہیں:

تفصیل صفحات	ایک ماہ	ایک سال
باہری ٹائٹل مکمل صفحہ	4000	40000
باہری ٹائٹل آدھا صفحہ	2500	25000
اندرونی ٹائٹل مکمل صفحہ	3000	30000
اندرونی ٹائٹل آدھا صفحہ	2000	20000
رسالہ کا اندرونی مکمل صفحہ	1500	15000
رسالہ کا اندرونی آدھا صفحہ	900	9000

نوٹ:- اطباء اور مدارس کا اشتہار قبول نہیں کیا جائے گا۔

جامعہ کے شب وروز

مہتمم جامعہ کے اسفار: ۲۳/اپریل ۲۰۱۵ء جامعہ عربیہ شمس العلوم کاشی پور کے جلسہ دستار بندی میں خطاب فرمایا، ۲۶-۲۷/اپریل کو حیدرآباد میں جلسہ اصلاحِ معاشرہ میں خطاب فرمایا، ۲۸/اپریل کو پاٹانالہ لکھنؤ میں خطاب فرمایا، یکم مئی کو ہنڈپورہ ضلع رام پور میں اِصلاحی خطاب فرمایا، ۴/مئی کو ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور میں خطاب فرمایا، ۵/مئی کو جامعۃ المعارف بڑھاپور ضلع بجنور کے سالانہ جلسہ میں مبسوط خطاب فرمایا، ۸/مئی کو مدرسہ کاشف العلوم بریلی کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں خطاب فرمایا، ۹/مئی کو محمدی لکھیم پور میں فضیلتِ قرآن پر خطاب فرمایا، ۱۰/مئی کو نرولی مدرسہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں خطاب فرمایا، ۱۱/مئی مدرسہ بلالیہ موانہ کے جلسہ دستار بندی میں خطاب فرمایا، ۱۵/مئی کو گوراچوکی گونڈہ میں جلسہ اصلاحِ معاشرہ میں خطاب فرمایا۔

مجلس شوریٰ جامعہ کا اجلاس: ۱۷/رجب ۱۴۳۶ھ جامعہ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس سرپرست جامعہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں جامعہ کی سالانہ تعلیمی، انتظامی اور تعمیری رپورٹیں پیش ہوئیں، اور اُنہیں منظوری دی گئی، طلبہ کے وظائف میں اضافہ کا فیصلہ کیا گیا تھا، اور بعض ملازمین کا استقلال منظور کیا گیا، اجلاس میں سرپرست جامعہ کے علاوہ درج ذیل اراکین نے شرکت فرمائی، مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب، صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالسلام صاحب، حضرت مولانا عبدالہادی صاحب پرتا بگڈھی، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، قاری عبدالستار صاحب میرٹھی، الحاج امیر احمد خان صاحب، حاجی محمد عثمان صاحب اراکین شوریٰ جامعہ۔

انجمن صوت القرآن کا پروگرام: شعبہ تجوید کی قدیم انجمن ''صوت القرآن'' کا مسابقۂ قرأت مؤرخہ ۱۸/رجب ۱۴۳۶ھ بروز جمعرات بعد نماز مغرب مدنی مسجد دارالطلبہ لالباغ میں منعقد ہوا، مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے حضرت قاری عبدالستار صاحب رکن شوریٰ جامعہ، جناب قاری صدر الحق صاحب اور جناب قاری محمد شاہد صاحب نے شرکت کی، جلسہ کی صدارت حضرت مولانا محمد اسعد صاحب دیوریاوی نائب ناظم تعلیمات جامعہ نے فرمائی، اور حضرت ہی کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

واردین وصادرین: اس ماہ جامعہ میں درج ذیل مہمانانِ گرامی کی تشریف آوری ہوئی: حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی عبدالقادر صاحب عارفی مفتی جامعہ

دار العلوم زاہدان بلوچستان، مولانا عبدالرؤف صاحب استاذ مدرسہ احیاء العلوم زرنج افغانستان، حضرت مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی محمدی ضلع لکھیم پور۔

جامعہ میں جلسۂ دستار بندی کا انعقاد: جامعہ کے وسیع وعریض صحن میں دستار بندی کا اجلاس بعد نماز مغرب جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا سید اشہد رشیدی کی صدارت میں منعقد ہوا، جلسہ کا آغاز قاری محمد حماد صاحب کی تلاوت سے ہوا، بعدہٗ مولوی محمد عمران متعلم جامعہ نے نعت پیش کی، پہلا خطاب حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مفتی واستاذ حدیث جامعہ کا ہوا، طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے اُن کے مقام ومرتبہ سے روشناس کرایا، اور خاص طور پر زندگی میں کامیابی سے ہمکنار کرنے والی تین چیزوں (تقویٰ، حق پسندی، میانہ روی) اور ہلاکت میں ڈالنے والی تین باتوں (لالچ، خواہشات کی پیروی اور خود پسندی) کو تفصیل سے بیان کیا۔ پھر جامعہ کے مفتی ومحدث حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے کردار کو صاف ستھرا بنانے کی ضرورت ہے، اگر ہمارے طلبہ اپنے اپنے علاقوں میں رہ کر اپنے علم کے مطابق عمل کریں گے تو اُن کا مستقبل روشن ہوگا، اور دین ودنیا میں نیک نام ہوں گے۔ پھر صدر جلسہ حضرت مہتمم صاحب نے اپنے خطاب میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹوں کو کی ہوئی نصیحتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے طلبہ کو انہیں نصیحتوں کو اپنانے اور مشعل راہ بنانے کی ہدایت دی۔ بعد ازاں جامعہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نے فارغین طلبہ کو بخاری شریف کا آخری درس دیتے ہوئے کہا کہ علم حاصل کرنے والوں کے لئے امام بخاریؒ نے جو مجاہدانہ کارنامے انجام دئے، وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، انہیں اپنانے کی ضرورت ہے، نیز امام بخاریؒ کی آخری حدیث کے ضمن میں قیمتی اور علمی باتیں بیان فرمائیں۔ اجلاس کے مہمانِ خصوصی حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ خوش نصیب ہیں وہ افراد جنہوں نے علومِ اسلامیہ کو سیکھنے اور سکھانے کا اپنا مشغلہ بنایا، آج جنہوں نے فراغت حاصل کی انہوں نے اپنے خاندان اور قبیلہ کا نام روشن کردیا، اور اُن سے امید ہے کہ علوم نبوت کی روشنی کو گھر گھر پہنچائیں گے، اِسی کے ضمن میں حضرت موصوف نے امام بخاریؒ کی مشہور چوکڑی اور دیگر مفید باتیں بیان فرمائیں، اس موقع پر ۲۴۰ر طلبہ - جن میں مفتیان، ادباء، علماء، قراء اور حفاظ کرام شامل ہیں - کو فارغ التحصیل ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور ان کے سروں پر اکابر علماء کے ہاتھوں دستار باندھی گئی، اور تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا، جلسہ کی نظامت کے فرائض مفتی محمد توحید صاحب پرتابگڈھی استاذ جامعہ نے انجام دئے۔

جامعہ میں رابطہ مدارسِ عربیہ کے نمائندہ اجتماع کا انعقاد: مؤرخہ ۳ر مئی ۲۰۱۵ء بروز اتوار جامعہ کے ''حمیدی ہال'' میں ''رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند'' کی شاخ مغربی

یوپی زون۲ کا نمایندہ اجتماع زیرصدارت حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ منعقد ہوا، جس میں مہمانِ خصوصی کے طور پر رابطہ مدارس عربیہ کے مرکزی ناظم عمومی حضرت مولانا شوکت علی صاحب بستوی استاذ دارالعلوم دیوبند نے شرکت فرمائی۔

نمائندہ اجلاس میں افتتاحی خطاب حضرت مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری نے کیا۔ موصوف نے مدارس میں تربیتی نظام کو مضبوط بنانے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ طلبہ مدارس کی وضع قطع عالمانہ ہونی چاہئے اور ان کو اسلامی اخلاق وعادات سے آراستہ کرنے پر بھرپور محنت کرنی چاہئے۔ موصوف نے طلبہ کی فکری ذہن سازی پر بھی زور دیا۔

مفتی جامعہ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی نے تعلیمی معیار بلند کرنے پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اساتذہ کو چاہئے کہ وہ طلبہ کے لئے سچے خیرخواہ بن جائیں اور پوری تیاری کرکے اس طرح درس دیں کہ ہر طالب علم کو اطمینان ہوجائے۔ موصوف نے اپنے وسیع تجربات کی روشنی میں فرمایا کہ اگر استاذ خود طلبہ کے ساتھ وقت لگائے تو رجال سازی میں بڑی مدد مل سکتی ہے، جس کے بارے میں آج کل کوتاہیاں پائی جارہی ہیں۔

صدر جلسہ حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب جن کو مرکزی مجلس عاملہ کی طرف سے رابطہ مدارس عربیہ زون۲ کا صدر بھی مقرر کیا گیا ہے، نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سب اہل مدارس کی ذمہ داری ہے کہ امانت ودیانت کا پورا خیال رکھیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے طبقہ علماء کے اوپر آنچ آئے۔ موصوف نے فرمایا کہ رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند کی مرکزی مجلس عاملہ نے مجھے جو ذمہ داری دی ہے وہ اس وقت تک بحسن خوبی انجام نہیں پاسکتی جب تک کہ علاقہ کے مربوط مدارس کا تعاون حاصل نہ ہو۔ موصوف نے امید ظاہر کی کہ اس طرح کے اجتماعات سے مدارس کے نظام تعلیم وتربیت کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی-انشاءاللہ تعالیٰ-

اخیر میں مہمانِ خصوصی حضرت مولانا شوکت علی صاحب بستوی ناظم اعلیٰ رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند نے اپنے جامع خطاب میں رابطہ کے مقاصد اور اس کی ضرورت کو اجاگر فرمایا اور توجہ دلائی کہ تعلیمی وتربیتی نظام کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ مالی معاملہ میں شفافیت کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ مدارس پر عوام کا اعتماد مزید پختہ ہوسکے، نیز موصوف نے رابطہ کے متعدد اجلاس کی تجاویز کی روشنی میں فرمایا کہ مدارس کو داخلی اور خارجی ہر طرح کے فتنوں سے بچانے کی کوشش کرنی ضروری ہے، نیز ملک کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے برادرانِ وطن سے بھی ربط ضبط بڑھانے کی ضرورت ہے۔

اس اجلاس میں علاقائی رابطہ کی مجلس عاملہ کی بھی تشکیل ہوئی، اس میں ۲۱؍افراد کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور تین نائبین صدور: (مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی مہتمم وشیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مولانا ڈاکٹر سید محمد طارق صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، مولانا جلیس احمد صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ

ٹانڈہ)اور ایک ناظم اعلیٰ (مولانا عبدالناصر صاحب نائب مہتمم جامعہ) کو نامزد کیا گیا۔

اِس اجلاس میں تقریباً دوسو نمایندگان نے شرکت کی، جن میں مرادآباد، امروہہ، سنبھل، بجنور، رامپور، بریلی، علی گڑھ وغیرہ اضلاع کے نمایندے شامل تھے۔ نظامت کے فرائض مفتی محمد سلیمان صاحب قاسمی استاذ مدرسہ شاہی نے انجام دیئے۔ اخیر میں شرکاء اجلاس میں سے بعض اہم اور موقر حضرات نے اظہار خیال کرتے ہوئے رابطہ کے نظام کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں اپنی بھرپور تائید کا یقین دلایا۔ اور یہ کہا کہ مرکزی رابطہ مدارس اسلامیہ نے مربوط مدارس کو مختلف زون میں تقسیم کرکے ایک مستحسن اقدام کیا ہے، جس سے امید ہے کہ مستقبل میں مربوط مدارس کے تعلیمی وتربیتی نظام کو مستحکم کرنے میں مدد ملے گی۔ اظہار خیال کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں: مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مفتی اکرام اللہ صاحب دارالعلوم جامع الہدیٰ، مولانا تنزیل الرحمٰن صاحب مدرسہ حیات العلوم، مولانا محمد اسلم صاحب جامع مسجد امروہہ، مولانا مفتی خورشید انور صاحب دارالعلوم حسن پور، مولانا محمد یونس صاحب مصباح الظفر ڈھکہ، حافظ جمیل احمد صاحب جامعۃ المعارف ٹانڈہ بادلی، مولوی محمد اکرم صاحب مدرسہ مدینۃ العلوم ٹانڈہ بادلی، مفتی سفیر الدین صاحب مدرسہ فخر العلوم گانوڑی، مولانا مفتی محمد میاں صاحب مدرسہ کاشف العلوم بریلی، مولانا مفتی محمد اسامہ صاحب مدرسہ تعمیر ملت علی گڑھ۔

آخر میں تقریباً ایک بجے دن میں مولانا عبدالسلام صاحب صدر المدرسین مدرسہ شاہی کی دعا پر اجتماع بخیر وخوبی اپنے اختتام کو پہنچا۔

وفیات: ماہِ رواں درج ذیل حضرات کے انتقال کی خبریں موصول ہوئیں، جامعہ میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، قارئین سے بھی ایصال ثواب کی اپیل ہے: خالہ صاحبہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب شیخ الحدیث جامعہ، والدہ قاری سعید الزماں نیا گاؤں، مولانا مقصود احمد صاحب شیخ الحدیث ونائب مہتمم مدرسہ شمس العلوم ٹنڈ ہیڑہ، محمد جنید بسیڑہ ضلع مظفرنگر، چچی صاحبہ مفتی محمد قربان صاحب ایکڑ ضلع ہریدوار، حاجی امیر حسن صاحب نئی آبادی لالباغ، فیاض علی صاحب بسواں سیتاپور، سائرہ خاتون زوجہ محمد جمیل خاں صاحب سپہا گاؤں گونڈہ، والدہ محترمہ مولانا اعظم صاحب سفیر دارالعلوم دیوبند سہارنپور، والدہ محترمہ الحاج مولانا ابن الحسن صاحب پرنسپل مدرسہ اسلامیہ کیتھا ٹیکر بانکا بہار، والد محترم مفتی محمد ناصر صاحب سجور بھاگل پور، بہنوئی جناب حافظ فہیم احمد صاحب محلّہ بروالان، والدہ ماجدہ حاجی اقبال صاحب اندرا چوک مرادآباد، مولانا فاروق قاسمی نواڈیہہ بھاگلپور، اہلیہ حاجی عبدالرشید صاحب جہانگیر پور، ماسٹر محمد عمر بھن گاواں نوگچھیا، اہلیہ مہر الدین کرنپور بھاگلپور، محمد ضمیر صاحب ڈھمرا، اہلیہ تجمل حسین ڈھمرا بانکا، پھوپھی صاحبہ حضرت مولانا اطہر شاہ خاں سنبھل، نانی صاحبہ جناب حاجی محمد شعبان صاحب کھاڑی، چری مری کرلا ممبئی، جناب شیخ محمد اکرام صاحب پان والے، بیر چوک پورنیہ بہار، ذبیح اللہ لکھیم پور، حامد علی قدوری ضلع ہردوئی، ڈاکٹر مقصود صاحب خیرآباد، مالیگاؤں۔ ❏❏❏

فہرست محصلین حضرات ومقامات وصولیابی بابت رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

امسال وصولیابی کیلئے درج ذیل حضرات کے اسفار کا پروگرام بنایا گیا ہے تمام ہی حضرات سے تعاون کی اپیل ہے

اسماء حضرات محصلین:	مقامات :
جناب مولانا عبدالمنان صاحب مدرس عربی 09412512300	کلکتہ، کانکی نارہ۔
جناب مولانا عبدالجلیل صاحب ناظم اوقاف 09412530518	ممبئی شہر، بھٹکل
جناب مولانا صدرالدین صاحب مدرس عربی 09411971934	مئو، اعظم گڈھ، دیوریا، ہاٹا، مدن پور، بگھوج گھاٹ، کسیاں، بنارس
جناب مولانا مفتی محمد سلیمان صاحب مدرس عربی 09997026356	گلبرگہ
جناب قاری جمشید عالم صاحب مدرس حفظ 09027282900	شریف نگر، ٹھاکردوارہ، جموانیڈ کشمیر۔
جناب قاری اخلاق حسین صاحب قاسمی استاذ تجوید 09411071602	سیتاپور شہر، خیرآباد، لہرپور، بسواں، سدھولی، محمودآباد، کملاپور، جیوتی شاہ عالمپور، راما بھاری، جہانگیرآباد، فتح پور، بلونت پور، لکھنؤ، فیض آباد، امبیڈکر نگر، بارہ بنکی، گونڈہ، محمدی، رسول پور، گولا، نکراٹاؤن، لکھیم پور، کھیری، سعداللہ نگر، گوراچوکی۔
جناب قاری محمد اقبال صاحب مدرس 09411971676-09768669100	ممبئی۔
جناب قاری خلیل احمد صاحب مدرس 09690521218	شہر مرادآباد
جناب قاری عطاء الرحمٰن صاحب نگراں امور دارالطلبہ لالباغ 09719137376	کالاگڑھ، مانیاوالا، قاسم پور گڑھی، ہتھائیں شیخ، نینڈڑو، سلیم پور گڑھی، اکبرپور، نجیب آباد، کوٹ دوار، کرتپور۔
جناب مولانا احسان صاحب محرر تعلیمات 09412530516	مرادآباد شہر، آگرہ، فیروزآباد، علی گڈھ، ہلدوانی، نینی تال۔
جناب مولانا محمد ہاشم صاحب محرر تعلیمات 09411946498	غازی آباد شہر، گڑھ مکتیشور، ہاپوڑ، ڈاسنہ، دادری، خورجہ، چھتاری، پہانسو، شکارپور، سکندرآباد، اکبرپور کلاں، بلندشہر، بہرائچ، بھنگا، فخرپور، اکونہ بازار، بلرام پور۔
جناب قاری رئیس احمد صاحب نگراں شاخہائے جامعہ 09457045703-9457707816	رامپور شہر، لالپور کلاں، سوار، بلاسپور، افضل گڑھ، ٹنک پور، کاشی پور۔
جناب مولوی محمد عیسیٰ صاحب محرر کتب خانہ 08923673661	کوری روانہ، خوشحال پور، اغوان پور، عمری کلاں، کانٹھ، ٹانڈہ بادلی۔
جناب مولوی مصلح الدین صاحب محصل کرایہ 09457236903	شہر مرادآباد، سنبھل۔
جناب مولوی شمس الحق پورنوی صاحب 09760843487	میرٹھ، مظفرنگر، سہارنپور، ہری دوار، دہرہ دون۔